یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
اقبالؒ

پُراسرار پُرانوار

نورانی حکایات

مرتبہ

محمد منشا تابش قصوری

ناشر
مختار احمد جنرلِ سیکرٹری بزمِ اویسیہ مریدکے

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

اقبال

پُراسرار، پُرانوار

نُورانی حکایات

مرتبہ

محمّد منشا تابش قصوری

ناشر
مختار احمد جنرل سیکرٹری بزمِ اویسیہ مریدکے

حکایت در حکایت

53080

جب سے ہوش سنبھالا ہے نہ جانے کتنی ہی حکایات سنی اور سنائیں
بیسیوں سینکڑوں کی تو بات ہی کیا ہزاروں لاکھوں کہانیاں کانوں سے
ٹکرائیں اور نسیاً منسیاً ہوئیں ان حکایات میں بچگانہ بھی تھیں اور بزرگانہ بھی
شباب کی بہار بھی لئے ہوئے ہوتیں اور زوال کی داستاں بھی بنتی گئیں
ان میں عروج و کمال بھی آشکارا دیکھا اور جلال و جمال کا اظہار بھی پایا۔
مجھے تو کائنات کی ہر چیز میں کئی کہانیاں نظر آتی ہیں زمین و آسمان
چاند، سورج، ستارے، سیارے، صحرا، دریا، سمندر، پہاڑ، میدان
باغات، نباتات، جمادات، حجر و شجر، چرند، پرند، حیوان، انسان الغرض
ہر چیز ظہور سے نابود تک کہانی سے عبارت ہے۔
تعمیر و تخریب کی داستانوں سے ماضی پُر ہے حال بڑی بے حالی میں
اپنی داستانیں جنم دے رہا ہے اور مستقبل کے لئے نہ جانے کتنا عظیم
سرمایہ جمع ہو جائے، داستانوں سے مستقبل ماضی و حال کی طرح
پُر ہے۔ حضرت آدم علیہ السّلام سے انسان کی کہانی شروع ہوتی ہے
ان کی زمین پر تشریف آوری سے جنّت و جہنم کے راز واشگاف ہوئے

یس کی کہانیوں سے دنیا بھری پڑی ہے جس کی نافرمانی سے نہ جانے
ئی کہانیاں وجود میں آئیں اور ابھی کارِ شیطان جاری ہے
آدم و حوا، مور، سانپ اور ابلیس ہی نہیں، ہابیل اور قابیل کیساتھ
ے کی عقلمندی کے قصہ پر بھی قرآن ناطق ہے حضرت نوح علیہ السّلام
ے طوفان سے ہی سبق نہیں ملتا بلکہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے
تشِ نمرود کو گلزار بنا کر بھی حکایات کی فہرست میں قابلِ قدر اضافہ
رمایا ہے۔ قربانی اسلام کی محض ایک رسم ہی نہیں بلکہ نورانی حکایات میں
یک سنہری کڑی کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ہر انسان اپنی صلاحیتوں کو
عمیری امور میں صرف کر کے کامرانی کی ابدی دولت سے مالا مال ہو سکتا
ہے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السّلام کی نازنین قوم نہ صرف من و سلویٰ سے
او دہن کی کہانیاں بناتی رہی ہے بلکہ نافرمانی کا شکار ہونا بھی اس کا
ضرب المثل بنا۔

عذابِ الٰہی کی داستانیں بھی بڑی عبرت آموز ہیں جن سے
ان لبطش ربک لشدید کی عملی تفسیر نظر آتی ہے۔ شداد، ہامان،
نمرود، فرعون، قارون، ابوجہل اسی قبیل کی حکایات بناتے ہوئے
جہنم رسید ہوئے۔

تعرف الاشیاء باضدادھا، اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی

ہیں۔

صادقین اور کاذبین کی داستانوں سے یہی پہلو نمایاں ہوتا ہے
روحانی و نورانی حکایات مخلوق کو خالق سے ملانے کا باعث ہیں جب
جنسی و رومانی کہانیاں، شیطان کی کاروائی کو کامیاب بناتے کا ذریعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نہ صرف میلوں دور سی پر چیونٹی کی معنی
باتیں سُن کر مسکرائے نظر آتے ہیں بلکہ ملکۂ صبا کی نیازمندانہ حاضری کا
منظر بھی کہانی کی زبان میں قرآن پاک سنا رہا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کا مہد میں اپنی نبوت کا اعلان ہی تعجب انگیز نہیں ان کا زندہ آسمان
پر چلے جانا بھی حیران کن حکایت سے کم نہیں۔ آسمان پر جانے سے
قبل ان کا یہ اعلان مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد
نورانی حکایات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مگر جب رسولِ اعظم
جن کی بشارت کہانی کے رنگ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنائی
اس دنیائے رنگ و بُو میں جلوہ افروز ہوئے ہیں تو ان کی قدر و منزلت
کو جان بوجھ کر نہ ماننے والے پکار اٹھتے ہیں یہ تو جادوگر ہے (معاذ اللہ)
آخر یہ معاملہ کیا ہے میری نظر جب قرآن و حدیث پر جاتی ہے تو مجھے

ایک ایک لفظ، کلمہ، جملہ، آیت، رکوع، سیپارہ، منزل الغرض ایک ایک نقطہ نورانی حکایات سے مرصع نظر آتا ہے یہ کہانیاں پُراسرار بھی ہیں اور پُرانوار بھی ان سے اہلِ محبت اپنے اپنے ذوق کے مطابق اسرار و انوار کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں اور ایمان و اتقان کی دولت گراں مایہ سے بھی سرافراز ہو سکتے ہیں۔

ففی کل شیئ لہ آیۃ ۔:۔ تدل علی انہ واحد

پس ہر چیز میں اس وحدہ لاشریک کی کہانی نہاں ہے جو اس کی یکتائی پر عیاں کی صورت میں دلالت کر رہی ہے جن سے اس کی ذات کو حکایات سے سمجھایا جا رہا ہے وہ خود قرآن میں قصص کو احسن مقام عطا فرما رہا ہے معلوم ہوا کہ خالق کائنات کے ہاں قصص و حکایات کی بھی قدر و منزلت ہے اور وہ حکایات جن کا منبع و مرکز اسلام ہو جن کا محور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو جن کا دارمدار اس عظیم جماعت کے نصب العین پر ہو جس نے مقام مصطفیٰ کو سمجھا اور ہر دل میں اسے سمو دینے کی سعی فرمائی یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہوں گی۔

پس اسی پاکیزہ خیال کے پیشِ نظر نورانی حکایات کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تبلیغ اور

آپ کے صحابہ کرام کی جاں نثاری کے ولولہ خیز واقعات صفحۂ قرطاس پر لائے گئے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ مجاہدین کے کردار کو بھی نورانی حکایات کا موضوع بنایا گیا ہے مجھے امید ہے کہ اسے ہر دردمند قاری جسے خدا و رسولِ خدا سے محبت و پیار ہے یقیناً شرفِ قبول سے نوازے گا۔

لیجئے اب میرے دعویٰ کی تصدیق کے لئے نورانی حکایات سے اپنے ایمان و ایقان کی دولت میں اضافہ کریں۔

مختار احمد جنرل سیکرٹری

بزمِ اویسیہ مریدکے ضلع شیخوپورہ

۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق کی قیمت

سردارانِ قریش اسلام کی روز افزوں ترقی سے سخت نالاں تھے۔ انھوں نے اسلام کی اشاعت روکنے کے لیے ہر ممکن اقدام کیا تھا، لیکن انھیں کوئی خاص کامیابی نظر نہ آئی تو انھوں نے سختی کی بجائے نرمی سے کام لینے کا فیصلہ کیا اور اپنے دانشور سردار عتبہ کو نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سے گفتگو کے لیے بھیجا۔

عتبہ نے جا کر نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سے کہا: "میرے بھتیجے محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم! اگر تم اس کاروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تو مالا مال ہو جائے اگر تم عزّت کے بھوکے ہو تو ہم تم کو بادشاہِ عرب بنا دیتے ہیں جو چاہو سو کرنے کو تیار ہیں، مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو اور اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے تو بتا دو کہ ہم تمہارا علاج کروائیں۔"

حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اس قریشی سردار کی کم عقلی پر مسکرائے اور فرمایا: "جو کچھ تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال، عزّت، دولت، حکومت کچھ درکار نہیں اور نہ ہی میرے دماغ میں خلل

ہے میری بات سمجھنا چاہتے ہو تو قرآن سنو۔"

آپ نے اس کے بعد سورۂ حٰم سجدہ کی پہلی چند آیات تلاوت فرمائیں، جن میں عقیدۂ توحید، رسالت اور آخرت پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور فصاحت و بلاغت میں بے نظیر و بے مثال ہیں۔ عتبہ ان آیات کو گردن جھکائے چپکے سے سنتا رہا اور بالآخر چپ چاپ اٹھ کر واپس چلا گیا۔ قریش کے سردار اس کے مشن کا نتیجہ معلوم کرنے کے لیے بے قرار بیٹھے ہوئے تھے۔

انھوں نے جاتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ عتبہ نے صرف اتنا کہا: "اے گروہِ قریش! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں، جو نہ کہانت ہے نہ شعر نہ جادو ہے نہ منتر۔ تم میری بات مانو تو محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم غالب آیا تو وہ تمھارا بھائی ہے، اور نتیجہ اس کے برعکس ہوا تو جان چھوٹی" اس پر قبائل کے سردار بہت برہم ہوئے اور کہا کہ عتبہ پر بھی محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان کا جادو چل گیا ہے۔

انھوں نے فیصلہ کیا کہ سب مل کر ابو طالب کے پاس چلیں اور اس سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھا کر رکھے۔ سردارانِ قریش ابو طالب کے ہاں پہنچے۔ ان میں سے ایک نے سب کی ترجمانی کی: "اب تک ہم نے

آپ کا بہت ادب کیا، لیکن آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے اسے سمجھا کر باز رکھیں ورنہ ہم اسے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب سے انتقام بھی نہیں لے سکو گے۔" ابو طالب نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بلایا اور اپنی پوزیشن کو سامنے رکھتے ہوئے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اسلام کی اشاعت سے باز رہنے کی تلقین کی۔

اللہ کا نبی ایک مرتبہ پھر مسکرایا اور جواب دیا "چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں اپنے کام سے باز نہیں آؤں گا اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہیں کروں گا خواہ اس کام میں میری جان بھی جاتی رہے۔" اور سرداران قریش کا یہ حملہ بھی خالی گیا۔

تبلیغِ دین

طائف کا حسین و جمیل شہر مکّے سے ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے وسیع و عریض ریگستان میں یہ سرسبز و شاداب شہر اپنے سایہ درختوں اور پھلوں کے باغات کی وجہ سے جنّت کا منظر پیش کرتا ہے، لیکن زرخیز و شاداب قطعۂ زمین شجرِ حق کی کاشت کے لیے بنایت بنجر و سنگلاخ ثابت ہوا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب مکّے کی زمین تخمِ حق کو قبول کرنے

کی صلاحیّت سے عاری نظر آئی تو انھوں نے طائف کے باشندوں کو ان کے اس خدا کا پیغام جس نے انھیں تمام نعمتوں سے مالا مال کیا تھا پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ساٹھ میل کی یہ طویل مسافت پیدل طے کی۔ صرف زید بن حارث رضی اللہ تعالےٰ عنہ ساتھ تھے جو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے غلام ہوا کرتے تھے، لیکن غلامی سے آزاد ہو کر بھی اسیرِ دامِ محبّت ہو گئے تھے۔ طائف پہنچ کر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سب سے پہلے یہاں کے سرداروں، عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ تینوں بھائی طائف کے سردار تھے اور اس حد تک مغرور تھے کہ کسی عام آدمی کو ان کے محل کا رخ کرنے کی بھی ہمّت نہیں ہوتی تھی۔

خدا کی سب سے برگزیدہ ہستی انھی متکبّر سرداروں کے سامنے نورِ ہدایت لے کر جا رہی تھی، لیکن ان میں قبولِ حق کی صلاحیّت مادہ پرستی کا شکار ہو چکی تھی۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا: "میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا دوں اگر اللہ نے تجھے رسُول بنایا ہو۔" دوسرا مضحکہ اڑانے کے انداز میں یوں گویا ہوا: "کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسُول بنانے کو نہ ملا جسے چڑھنے کی سواری بھی میسّر نہیں، اسے رسُول بنانا تھا تو کسی

حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا؟" تیسرا بولا :" میں بہر حال تجھ سے کوئی گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہوں اگر تو سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر تو جھوٹا ہے تو تو گفتگو کے لائق نہیں۔"

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سردارانِ طائف کے اس غیر معقول رویّہ کی وجہ سے ان کے محل سے واپس لوٹ آئے اور عوام کو مخاطب کر کے اپنی دعوت پیش کرنا شروع کر دیا، لیکن سردارانِ طائف نے صرف مضحکہ پر ہی اکتفا نہ کی تھی بلکہ انھوں نے شہر کے لونڈوں اور اوباشوں کو حضور کو تنگ کرنے پر مامور کر دیا۔ وہ بازار کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وعظ کے مقابلے میں گالیاں بکنے اور تالیاں پیٹنے لگے۔

جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی یہ بدتمیزی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قوّتِ ارادی پر غالب نہیں آسکتی تو انھوں نے آپ پر پتّھر پھینکنے شروع کر دیے۔ جسمِ مبارک ان پتّھروں سے زخمی ہو گیا۔ اس قدر خون بہہ نکلا کہ جوتا مبارک اتارنا مشکل ہو گیا اور آپ زخموں سے چُور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اس پر دوستم ظریف آگے بڑھے اور انھوں نے آپ کو سہارا دے کر کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے محسوس ہوتا تھا کہ شاید ان کے پتّھر دل پسیج گئے ہیں، لیکن جونہی آپ کو ہوش آیا اور آپ دوبارہ چلنے

لگے۔ پتھروں کی بارش دوبارہ شروع ہو گئی، ان اوباشوں نے شہر سے تین میل باہر تک نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ آپ نے عتبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔ حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ تھے، وہ خود بھی بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے وفا شعاری کا پورا حق ادا کیا تھا۔

جہاں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بیہوش ہو جاتے وہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کندھوں پر اٹھا لیتے تھے۔ باغ میں خدا کے دین کے یہ مظلوم علمبردار اسی شان سے پہنچے تھے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم زخموں سے نڈھال تھے۔ زید نے آپ کے چہرۂ مبارک پر پانی کے چھینٹے مارکر آپ کو ہوش دلائی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس باغ میں بیٹھے اس دن کے بیتے ہوئے واقعات دہرا رہے تھے۔ زید نے اہلِ طائف کے ظلم وستم کی شکایت کی اور عرض کیا "یارسول اللہ اس ظالم قوم کی ہلاکت کی دعا کیجئے۔" آپ نے جواب دیا: "اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا، امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور خدائے واحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔" اور حضرت زید رضی اللہ عنہ رحمت دوعالم کی بات سن کر چپ ہو رہے

عتبہ بن ربیعہ جو اس باغ کا مالک تھا، روسائے مکّہ میں سے تھا۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو زخمی دیکھ کر اسے رحم آیا اور اس نے عرب کی روایتی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے غلام عداس کو انگوروں کا ایک نہایت عمدہ خوشہ پلیٹ میں رکھ کر دیا اور کہا کہ اس شخص کو دے آؤ۔ غلام نے انگور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کیے اور آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر کھانے شروع کر دیئے۔

عداس غلام نے حیران ہو کر سوال کیا "یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔" حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے متوجہ پاکر دین کی دعوت پیش کرنے کے لیے تمہید باندھی "تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟" "میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔" عداس نے جواب دیا۔ "کیا تم مردِ صالح یونس بن متی علیہ السّلام کے شہر کے رہنے والے ہو؟" حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "آپ کو یونس بن متی علیہ السّلام کے متعلق کیسے معلوم ہو گیا؟" عداس نے حیرت سے سوال کیا۔ کیونکہ اہلِ عرب یونس علیہ السّلام کے نام تک سے واقف نہ تھے اور یہ بات اس کے لیے بہت عجیب تھی کہ ایک عرب حضرت یونس علیہ السّلام کے متعلق اسے کچھ بتا رہا تھا۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا "وہ میرا بھائی ہے وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔" عداس یہ سنتے ہی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم

کے پاؤں پر گر پڑا اور آپ کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگا، عتبہ دور سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس نے عداس کو بلایا اور کہا: "کم بخت! تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ چومنے لگا۔"

عداس نے جواب دیا: "حضورِ عالی! آج اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی نہیں، اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی بتا سکتا تھا۔" لیکن عتبہ نے صرف ڈانٹ دیا: "خبردار! اس کا دین قبول نہ کرنا تمہارا دین اس سے بدرجہا بہتر ہے۔" اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم خوش تھے کہ کم از کم اس سفر سے ایک انسان کو راہِ ہدایت مل گئی تھی۔

ایک انقلابی خاتون

اسلام کے ابتدائی دور میں کفّارِ مکّہ نے طے کیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کر دیا جائے تاکہ یہ روز روز کا اختلاف ختم ہو۔ عمر بن خطاب جو ابھی رضی اللہ عنہ نہیں بنے تھے، اس مہم کا بیڑا اٹھایا اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیے اس مہم پر روانہ ہوئے۔ راستے میں معلوم ہوا کہ خود ان کا بہنوئی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہن فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام لا چکے ہیں۔ غصّے سے پیچ و تاب کھایا اور پہلے اس قصّے کو سمیٹنے کے لیے بہن کے گھر کو چل پڑے۔ وہاں قرآن کی تعلیم ہو رہی تھی۔ اس پر عمر کے

غصّے کا پارا اور چڑھ گیا۔ دروازہ کھلوایا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ بہنوئی کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ خاوند کا یہ حال دیکھ کر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آڑے آئیں، اور کہنے لگیں :" اے عمر! اے میرے بھائی! جو کرنا ہو کر لو ہم تو اسلام لا چکے اور اب کبھی کفر کی طرف واپس نہ آئیں گے ،،

ان سیدھے سادے کلمات کا عمر کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ پسینہ چھوٹ گیا اور یہی چند الفاظ ان کی زندگی میں نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب کا باعث بن گئے۔ اب عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پہلا عمر نہیں تھا۔ اب اس کا دل بدل چکا تھا، ارادہ متزلزل ہو چکا تھا۔ اور تھوڑی دیر پہلے جو شخص نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو معاذ اللہ قتل کرنے جا رہا تھا، اب وہ قبولِ اسلام کے ارادے سے کاشانۂ نبوّت کا رخ کرتا ہوا دکھائی دیا۔

راہ خدا کی پہلی شہید

جس طرح رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے کا شرف سب سے پہلے ایک عورت خدیجۃ الکبریٰ کو حاصل ہوا اسی طرح راہ حق میں سب سے پہلے جس کا خون بہایا گیا وہ بھی ایک عورت ہی تھی۔ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی والدہ سمیّہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا وہ خوش

نصیب خاتون ہیں جو راہِ حق کی پہلی شہید تھیں۔ جب ان کے خاندان نے اسلام قبول کیا تو مشرکینِ مکّہ نے انھیں طرح طرح سے ستانا مارنا پیٹنا اور عذاب دینا شروع کر دیا۔

حضرت یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ مار پیٹ کی تاب نہ لا سکے اور بیمار ہو کر چل بسے۔ سمیہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو خاوند کی وفات کا سخت صدمہ تھا۔ انھوں نے ابوجہل سے سخت کلامی کی۔ اس لعین نے ایک ایسی برچھی ماری کہ یہ عفّت شعار خاتون شہید ہو گئیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

صبر و استقامت کا پہاڑ

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو اہلِ مکّہ نے ان پر بے پناہ مظالم توڑے، لوہا تپا کر ان کا سر داغا گیا۔ کوئلے دہکا کر انھیں ننگے بدن ان پر لٹا دیا گیا۔ جب اس پر بھی آتشِ انتقام نہ بجھی تو ایک بھاری پتّھر ان کے سینے پر رکھ دیا گیا، تاکہ ہلنے نہ پائیں، پھر ایک سنگدل اس پتھر پر چڑھ گیا۔ انگارے ان کے جسم کو جلا کر کر بیٹھ گئے اور چربی پگھل پگھل کر بہنے سے کوئلے بجھ

گئے، ان کی پیٹھ پر عمر بھر یہ نشان نمایاں رہے۔ چمڑا جل کر سفید داغ سے پڑ گئے تھے، ان کا ایک چھوٹا بچّہ کمر کے ان سوراخوں میں انگلی ڈال دیا کرتا تھا، کفار نے انھیں اس قدر ستایا کہ زبانِ نبوّت سے بے اختیار ان کے حق میں دعا نکلی:

خدایا! خبابؓ کی مدد کر!

کشتۂ ظلم و ستم

ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کی شاخ بنو عبدالدار کے غلام تھے۔ دعوتِ اسلامی کی ابتداء ہی میں اسلام قبول کیا اور دشمنانِ اسلام کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے۔ ان کے آقا اسلام لانے کے، جرم بے گناہی پر انھیں ایسی ایسی درد انگیز سزائیں دیتے تھے جن کے ذکر سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

انھیں ٹھیک دوپہر کو تپتی ہوئی ریت پر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ایک بھاری پتّھر پیٹھ پر رکھ دیتے تاکہ جنبش نہ کر سکیں۔ انھیں انتہائی بے دردی سے پیٹا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو جاتے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹا جاتا اور باہر لے جا کر دوپہر کے وقت گرم ریت پر ڈال دیا جاتا۔ بعض دفعہ انھیں پانی میں غوطہ دیا

جانا۔ ایک دفعہ امیّہ انھیں پیٹ رہا تھا کہ اس کا بیٹا صفوان بھی آ پہنچا، اس نے از راہِ تحقیر ابو فکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا "کیا امیّہ تیرا رب نہیں ہے؟" انھوں نے جواب دیا "میرا رب اللہ ہے۔" صفوان کو اس بات پر سخت غصّہ آگیا اور اس نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ ان کی آنکھیں باہر آگئیں، آخر مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جن غلاموں کو خرید کر آزاد کیا تھا، ابو فکیہہ بھی ان میں سے ایک تھے، قریشِ مکّہ کی مار نے ان کا جسم و جان نڈھال کر دیا تھا۔ ہجرت کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے اور جلد ہی عالمِ آخرت کو سدھا گئے۔ ان کا صبر و ثبات اور راہِ حق میں قربانی کا جذبہ صحابہ کرام کی جماعت میں ایک مثال بن گیا۔

دنیا بھر سے مقابلہ کا اعلان

صحابہ کرام کی جماعت میں حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسے شخص تھے جو مہاجر بھی ہیں اور انصاری بھی، انصاری اس لیے کہ ان کا تعلق مدینے کے قبیلۂ خزرج سے تھا، اور مہاجر اس لیے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بیعت کرلنے کے بعد یہ مکّے ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تو دوسرے مہاجرین کے ہمراہ مدینے میں

وارد ہوئے، ہجرت سے قبل اہلِ مدینہ کی ایک جماعت مکے کی ایک گھاٹی میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مل کر مشرّف بہ اسلام ہوئی جب یہ لوگ بیعت کے لیے جمع ہوئے تو عباس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے سامنے ایک تقریر کی۔ انھوں نے کہا "بھائیو! تم جانتے ہو کہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ اس کی اہمیّت کو سمجھو، درحقیقت یہ بیعت عرب وعجم سے اعلانِ جنگ ہے اس میں تمہیں بے پناہ خطرات کا سامنا کرنا ہوگا۔ تمہارے ذی اثر لوگ مارے جائیں گے، مال تلف ہوگا۔ دنیا بھر کی مخالفت سہنا پڑے گی، پس اگر ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمّت ہے تو بسم اللہ! بیعت کرلو، ورنہ دین و دنیا کی ندامت سر لینے سے کیا فائدہ؟"

ان کی اس تقریر نے انصارِ مدینہ کے دل گرما دیے۔ انھوں نے بخوشی بیعت کر لی۔ بیعت کے بعد عباس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا، یارسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم مِنیٰ میں میدانِ کارزار گرم کردیں۔ آپ نے فرمایا ابھی اس کی اجازت نہیں وقت آرہا ہے جب تم اپنے حوصلے نکال سکو گے۔ عباس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ اُحد میں مردانہ وار لڑکر شہادت پائی۔

نفع بخش سودا

صہیب رومی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک بہت بڑے تاجر تھے جو مشرّف باسلام ہو چکے تھے، قریشِ مکّہ کے مظالم انتہا کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہجرت فرما گئے تو باقی مسلمانوں نے بھی رختِ سفر باندھا۔

جب صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کو تیّار ہوئے تو قریشِ مکّہ نے انھیں آگھیرا اور اپنا ایک نیا حق جتلایا: "صہیب جب تو مکّے میں آیا تھا تو مفلس و قلاش تھا۔ یہاں رہ کر تو نے ہزاروں روپے کمائے آج تو یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب مال و زر لے جائے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" اس انوکھی منطق پر صہیب رضی اللہ تعالےٰ عنہ حیران نہیں ہوئے، کیونکہ وہ جانتے تھے یہ لوگ کس قماش کے آدمی ہیں، انھیں ایمان سب مال و دولت سے زیادہ عزیز تھا، انھوں نے پوچھا: "اگر میں اپنا سارا مال و متاع تمہیں دے دوں تب مجھے جانے دو گے؟" قریش بہت خوش ہوئے۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا "ہاں" اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارا مال ان کے حوالے کر کے خالی ہاتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اور دیارِ رسالت میں پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ قصّہ سن کر فرمایا :

"بے شک اس سودے میں صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نفع کمایا"

ہم محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم رسُول اللہ کے سپاہی ہیں

جنگِ بدر جس بے سروسامانی کی حالت میں لڑی گئی وہ تاریخ عالم کی حیرت انگیز لیکن مسلّمہ حقیقت ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب یقین ہو گیا کہ کفارِ قریش کا قافلۂ تجارت تو بچ کر نکل گیا ہے اور اب مقابلہ ان کے مسلّح لشکر سے ہوگا تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔

مہاجرین نے پر جوش تقریریں کیں، آپ خاموش تھے کیونکہ انصار کی طرف سے ابھی کوئی نہیں بولا تھا اور آپ انہی کی رائے لینا چاہتے تھے۔ اس صورتِ حال کو تاڑ کر انصار کے قبیلۂ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا : یا رسُول اللہ! آپ کا اشارہ غالباً ہماری طرف ہے۔ سو آپ کا دوست ہمارا دوست اور

آپ کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ آپ حکم دے کر دیکھیں ہم ہر قیمت پر اطاعت کریں گے۔ اگر آپ سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تب بھی اس میں کود جائیں گے، ہمارا مال و جان ہر خدمت کے لیے حاضر ہے۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ہم موسیٰ علیہ السّلام کی قوم نہیں جو کہیں گے کہ اے موسیٰ علیہ السّلام تو اور خدا جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سپاہی ہیں۔ ہم آپ کے آگے، پیچھے، دائیں بائیں دادِ شجاعت دیں گے اور کسی حال میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ اس تقریر سے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا چہرہ اس طرح کھل گیا جیسے گلاب کا پھول ہو۔

ننھّے مجاہدوں کی حرارتِ ایمانی

جنگِ بدر میں تین سو تیرہ نہتّے مومن تیرہ سو مسلّح کفّار سے برسرِپیکار تھے، دونوں فوجیں دادِ شجاعت دے رہی تھیں، مشرکین مکہ شمعِ اسلام کو ہمیشہ کے لیے گل کر دینا چاہتے تھے۔ اہلِ ایمان دینِ حق پر پروانہ وار قربان ہو رہے تھے۔ دو انصاری نوجوان معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور معوّذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو سگے بھائی تھے، ان کے والد کا نام عفراء

رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا دونوں صحابی عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور پوچھنے لگے : چچا جان ! ابوجہل کہاں ہے ؟ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے ہے، کفار کے لشکر کے قلب میں کھڑا انہیں لڑا رہا ہے، لیکن انھیں اس بات پر حیرت ہوئی کہ یہ نوجوان ابوجہل کا پتہ کیوں پوچھتے ہیں، چنانچہ انھوں نے فرمایا، بھتیجو! تم ابوجہل کا پوچھ کر کیا کرو گے۔

انھوں نے بیک زبان جواب دیا کہ ہم نے سنا ہے وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گالیاں دیتا ہے، ہم نے قسم کھائی ہے کہ اسے ضرور قتل کریں گے۔ یہ کہہ کر باز کی طرح جھپٹے اور چند لموں کے بعد ابوجہل کا لاشہ خاک و خون میں تڑپ رہا تھا۔ مشرکوں کو اپنے سردارِ لشکر کی اس ذلت آمیز موت سے سخت صدمہ ہوا۔

ابوجہل کے لڑکے نے فوراً معوّذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تلوار سے وار کیا۔ ضرب کاری تھی، ان کا ہاتھ شانہ سے لٹک گیا صرف تسمہ لگا رہ گیا مگر معوّذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حالت میں بھی برابر لڑتے رہے، پھر جب دیکھا کہ کٹا ہوا ہاتھ شمشیر زنی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، تو تسمہ کاٹ کر اسے الگ پھینک دیا اور دوبارہ تیغ زنی میں مصروف ہو گئے۔

مکّے میں اسلام کا نقیب

غزوۂ بدر ختم ہو چکا تھا۔ قریشِ مکّہ اسلام کو مٹا دینے کا عزم لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن ہزیمت و رسوائی لے کر لوٹے تھے اس لیے ایک ایک شخص انتقام کی آگ میں جل رہا تھا اور شمعِ حق کو بجھانے کے نت نئے نئے منصوبے سوچے جا رہے تھے انھی علمبردارانِ باطل میں سے دو شخص عمیر بن وہب اور صفوان بن امیّہ بھی تھے، جن میں سے عمیر کا بیٹا جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ میں اسیر ہو گیا تھا۔ یہ دونوں مکّے سے باہر ایک سنسان پہاڑی پر بیٹھے محوِ گفتگو تھے۔

" اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور مجھے اپنے کنبے کے بے سہارا رہ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں خود مدینے جاتا اور محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قتل ہی کر کے لوٹتا" عمیر نے نہایت ہی حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

" تیرا قرض میں چکا دوں گا اور جب تک میں زندہ ہوں تیرے کنبے کا خرچ میرے ذمّے ہو گا تم اس محمّدؐ سے ہماری جان چھڑاؤ"، صفوان نے نہایت اضطراب کے عالم میں جواب دیا اور دونوں کے درمیان معاہدہ ہو گیا، دونوں نے اس معاہدے کو خفیہ رکھنے کا عہد کیا اور عمیر نے

اپنے مشن کی تیاریاں شروع کردیں۔

گھر پہنچ کر عمیر نے اپنی تلوار کو تیز کروایا، اسے زہر میں بجھوایا اور بغیر کسی کو بتائے مدینہ کی راہ لی۔ سیدھا مسجد نبوی کے سامنے پہنچا، اور اپنا اونٹ بٹھا کر مسجد میں داخل ہونے لگا۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو سمجھ گئے کہ عمیر کی نیّت میں فتور ہے وہ جانتے تھے کہ عمیر کس قماش کا آدمی ہے۔ فوراً اسے گردن سے جا دبوچا اور گھسیٹ کر نبی اکرم کے سامنے لے گئے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا تو کہا "عمر اسے چھوڑ دو، عمیر تم میرے پاس آؤ۔"

عمیر آگے بڑھا اور مکّارانہ سلام کیا۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا، "کہو کس ارادے سے آئے ہو؟" "اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں" عمیر نے جواب دیا۔ "یہ تلوار کیسی ہے؟" نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت کیا۔ "یہ کیا تلوار ہے اور ہماری تلواروں نے آپ کا پہلے کیا بگاڑ لیا ہے؟" عمیر نے پھر منافقت کی۔ "سچ سچ بتاؤ" نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پھر سوال کیا۔ لیکن عمیر نے اپنا پہلا جواب دہرا دیا۔

اللہ کے نبی نے غیر متوقع طور پر اس کا راز فاش کردیا "دیکھ تو اور صفوان مکّے سے باہر سنسان پہاڑ پر گئے تھے، صفوان نے تیرا قرضہ اور تیرے کنبے کا خرچہ اپنے ذمّہ لے لیا ہے اور تو نے میرے قتل

کا عہد کیا ہے اور تیرے یہاں آنے کا مقصد یہی ہے، عمیر تجھے یہ خیال نہ
رہا کہ میرا محافظ خدا ہے۔"

عمیر کا رنگ اڑ گیا، اس نے اچھی طرح سوچا کہ اس کا راز اس سے
پہلے ہی کس طرح یہاں پہنچ گیا، اس نے صفوان سے پختہ معاہدہ کیا
تھا کہ یہ راز کسی طرح نہ کھلے گا، پھر معاہدہ کے بعد فوراً وہ پوری تیزی سے
مدینے کی طرف چلا آیا تھا اور یہ ممکن نہ تھا کہ مکّے کا کوئی اور شخص
اس راز کو جان کر اس کے آنے سے پہلے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم تک
پہنچا دے، اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ صفوان کے ساتھ عہد وپیمان
کر رہا تھا تو کوئی تیسرا شخص وہاں موجود نہ تھا، وہ تھوڑی دیر تک
گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔

یکایک اس کا دل نورِ ایمان سے منوّر ہو گیا۔ عرض کیا! "اب
میرا دل مان گیا ہے کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، کیونکہ میرے اور
صفوان کے درمیان جو راز تھا وہ وحی الٰہی کے بغیر آپ کو قطعاً معلوم
نہیں ہو سکتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے قبولِ اسلام کا بہانہ
بنا دیا۔ دربارِ رسالت سے صحابہ کرام کو حکم ہوا: "اپنے بھائی کو دین سکھاؤ،
قرآن یاد کراؤ اور اس کے فرزند کو آزاد کر دو۔"

چند دنوں کے بعد عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ

مجھے اجازت دیجئے کہ مکّے ہی کو واپس چلا جاؤں اور وہاں علی الاعلان اسلام کی دعوت دے کر قریشِ مکہ کو اسی طرح تنگ کروں جس طرح وہ مسلمانوں کو ستایا کرتے تھے۔" دربارِ رسالت سے اجازت مل گئی۔

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روانگی کے بعد صفوان نے لوگوں سے گول مول باتیں شروع کر رکھی تھیں، وہ کہتا تھا کہ چند دنوں میں تمہیں ایسی خبر ملے گی کہ تم بدر کے تمام صدمات بھول جاؤ گے، اسے شب و روز عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار تھا، آخر کار عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکّے پہنچے، لیکن اب ان کا مقصدِ زندگی بدل چکا تھا۔ صفوان کو ان کے قبولِ اسلام کی خبر ملی تو اعلان کیا کہ میں عمر بھر اس سے نہ بولوں گا۔ لیکن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت دھڑلّے کے سردار تھے کھلّم کھلّا اسلام کی دعوت پھیلاتے، لوگوں کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرواتے اور قریش کے دل کو خوب جلاتے۔

اللہ تعالےٰ نے اس نازک دور میں بھی مکّے میں ایک نقیبِ اسلام کا انتظام کر دیا تھا۔

جنّت کا شوق

جنگِ بدر میں جب مشرکوں کی فوج یکبارگی ہلّہ بولنے کے ارادے سے بڑھی تو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام کی ہمّتیں بڑھانے کے لیے باآوازِ بلند فرمایا: اے لوگو! اس جنّت کو حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھو جس کی چوڑائی کائنات کے برابر ہے۔ عمیر بن حمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری بولے یارسول اللہ! کیا جنّت کی چوڑائی کائنات کے برابر ہے؟ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہاں!

عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر بولے" واہ، واہ"، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے اس" واہ واہ" کا سبب دریافت فرمایا تو جواب ملا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم! میں اس امید پر یہ لفظ کہہ رہا ہوں کہ شاید میں بھی اہلِ جنت میں سے ہو جاؤں۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تو یقیناً جنّت والوں میں سے ہے۔ اس پر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھیلے میں سے کھجوریں نکال کر کھانا شروع کر دیں، لیکن فوراً ہی یہ کہہ کر کھجوریں پرے پھینک دیں کہ اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو دنیا میں یہ ایک لمبی زندگی ہو گی۔ پھر مشرکوں پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

جنّت کی خوشبو

حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر میں کسی مجبوری کے تحت شامل نہیں ہو سکے تھے اور انہیں اس غیر حاضری کا سخت قلق تھا۔ چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے رنج و غم کا اظہار اس طرح کیا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم! کتنے افسوس کا مقام ہے میں اسلام اور کفر کی پہلی لڑائی میں شامل نہ ہو سکا۔

اب اگر اللہ تعالیٰ مجھے جہاد کا موقع دے تو اپنے دل کے ارمان نکالوں گا۔ جنگِ احد میں یہ صاحب شامل تھے۔ جب کفار کے دو طرفہ اچانک حملے سے اہلِ اسلام کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم زخمی ہو کر گر گئے اور منافقین نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شہادت کی جھوٹی افواہ اڑا دی تو انس رضی اللہ تعالیٰ میدان جنگ میں یوں گویا ہوئے "اے اللہ میں مسلمانوں کی غلطی اور کمزوری کی تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور مشرکوں کے برے ارادوں سے اظہار نفرت کرتا ہوں" یہ کہا اور میدانِ جنگ میں کود پڑے۔

دوسری طرف سے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرہے تھے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں کہا: اے سعد! آؤ جنّت میں چلیں

خدا کی قسم۔ مجھے اُحد پہاڑ کے درّے سے جنّت کی خوشبو آرہی ہے۔
انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ کہہ کر اس زور کا حملہ کیا کہ مشرکین کی صفیں الٹ دیں۔ اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے خود بھی شہید ہو گئے۔
لڑائی کے بعد جب میدان سے ان کا جسم اٹھایا گیا تو اس پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کے اسّی سے زیادہ زخم پائے گئے۔ مشرکوں نے ان کی لاش سے بھی انتقام لیا تھا اور حلیہ بگاڑ ڈالا تھا۔ کوئی ان کے جسم کو پہچان نہ سکا۔ آخر ان کی بہن نے ایک انگلی پر کسی خاص علامت سے ان کی لاش پہچانی۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ انھوں نے اللہ سے اپنے عہد کو نبھا دیا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الآیہ

راہِ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا سیّد الشہداء حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ مشرکوں نے ان کی لاش کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ ہندِ جگر خوار نے ان کے ہونٹ کٹوا دیے، آنکھیں نکلوا دیں۔ ناک کان اور زبان کٹوا دی اور ان چیزوں کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا

تاکہ اس کی آتشِ انتقام ٹھنڈی ہو۔ اس نے ان کا جگر بھی نکال کر کھا نے
کی کوشش کی تھی۔ لیکن نگل نہ سکی تو باہر اگل دیا تھا جنگ ختم ہوئی تو
حضور کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔ آپ نے حکم دیا کہ میری پھوپھی
صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھنے دی جائے
وہ عورت ذات ہیں۔ مبادا بے صبری کریں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
نے یہ سب سن لیا تھا۔ باصرار حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے بھائی
کی لاش دیکھنے کی اجازت مانگی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں
حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق سب کچھ سن چکی ہوں لیکن راہ خدا
میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔

آپ مجھے ان کی زیارت کی اجازت دیں میں مسلم عورت ہوں
بے صبری نہیں کروں گی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اجازت دے دی
وہ لاش پر آئیں ان کے بیٹے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں
کی لاش سے چادر اٹھائی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شدت غم
سے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھائی کے جسم کو دیکھ کر صرف
انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور واپس چلی گئیں۔

ایک بے مثال شہیدؓ

جنگِ اُحد میں جب دونوں فوجیں لڑ رہی تھیں، گھمسان کا رن تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ایک نوجوان نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم! کیا میں اسلام لاؤں یا قتال کروں؟ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: پہلے اسلام لا پھر قتال کر۔

چنانچہ وہ عین میدانِ جنگ میں مسلمان ہوا اور تلوار سونت کر میدان میں گھس گیا۔ جنگ ختم ہوئی اور ستّر مسلم شہیدوں کی لاشیں میدان سے اٹھائی گئیں تو ان میں اس خوش قسمت انسان کی لاش بھی تھی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے متعلق فرمایا، اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پایا۔

صحابہ کرام اس بے مثال شہید پر رشک کیا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ اپنے شاگردوں سے پوچھا کرتے، بتاؤ وہ کون سا شخص ہے جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور سیدھا جنّت میں چلا گیا؟ پھر خود ہی فرمایا کرتے کہ وہ اُصیرم عبدالاشہل ہے۔ عبدالاشہل ان کی قوم کا نام تھا، ان کا اپنا نام عمرو بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور لقب اُصیرم تھا۔

مردِ مومن کی موت

سنہ ۳ھ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دس آدمیوں کی ایک جماعت کو کفّار کی نقل و حرکت کا پتا چلانے بھیجا۔ مکّہ اور عسفان نامی مقام کے درمیان قبیلۂ ہذیل کے لوگ چھپ کر اس جماعت پر حملہ آور ہوئے۔ سات آدمی موقع پر شہید ہو گئے اور تین کو انھوں نے لے جا کر مکّے کے بازار میں فروخت کر ڈالا۔

ان میں خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ انصاری بھی تھے حارث بن عامر جو خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے جنگِ بدر میں قتل ہوا تھا، اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے انھیں خرید لیا اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا۔ کئی ماہ تک قید کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ آخر مشرکینِ مکّہ نے انھیں مکّے سے باہر لے جا کر تنعیم کے مقام پر برسرِ عام پھانسی دے دی۔

قتل سے پہلے انھوں نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو! اجازت ملنے پر نماز پڑھی اور جلد فارغ ہو کر فرمایا: "جی تو چاہتا تھا کہ نماز لمبی کروں لیکن اس لیے مختصر کر دی ہے کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ مسلمان موت سے ڈر گیا" جب انھیں پھانسی کی طرف لے جایا

جا رہا تھا تو بلند آواز سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ ؎

فلست ابالی حین اقتل مسلماً   علی ایّ شقٍّ کان للہ مصرع
و ذالک فی ذات الالٰہ وان یشاء   یبارک علی اوصال شلوٍ ممزّع

"جب میں حالتِ اسلام میں قتل ہو رہا ہوں تو یہ پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر گروں گا، میرا قتل راہِ خدا میں ہے، وہ چاہے گا تو میرے جسم کے کٹے ہوئے ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا۔"

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلم کو خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعۂ قتل کی اطلاع دی تو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اے خبیب تجھ پر سلام"! خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھانسی چڑھتے وقت اپنا منہ قبلہ کی طرف پھیر لیا تھا۔ مشرکوں نے شہادت کے بعد لاکھ کوشش کی کہ ان کا منہ دوسری طرف پھیر دیا جائے مگر ناکام رہے، جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا، اسے کسی دوسری طرف کیوں کر پھیرا جا سکتا تھا؟

نوجوانوں کا جذبۂ سرفروشی

رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ انصاری جنگِ بدر میں چھوٹی عمر کے باعث شامل نہ کیے گئے تھے۔ اگلے سال وہ پھر بڑے ذوق وشوق سے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش ہوئے ان کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔ اب کی بار اجازت مل گئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور مجاہدینِ اُحد کی صف میں شامل ہو گئے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لڑکوں کی صف میں تھے اور بوجہ صغیر السن ہونے کے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انھیں فوج میں شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت مل گئی ہے تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے رافع رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھرتی کر لیا ہے اور مجھے فوج میں شامل ہونے سے منع فرما دیا ہے۔ حالانکہ میں انھیں کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دونوں لڑکوں کا مقابلہ کرایا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر دیکھنے میں چھوٹے نظر آتے تھے، مگر انھوں نے رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچھاڑ دیا اور انھیں بھی مجاہدین میں شامل ہونے

کی اجازت مل گئی میدان میں ان دونوں نے بڑی شجاعت اور مہارت جنگ کا ثبوت دیا۔ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ میں زخمی ہوئے تیر سے سینے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور نوک جسم میں ہی رہ گئی۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا میں میدانِ حشر میں تمہارے حق میں شہادت دوں گا۔ تیر کی یہی نوک ایک عرصہ کے بعد ان کی وفات کا سبب بنی۔

حُبِّ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حقیقت

زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری مبلّغین اسلام کی اس جماعت کے فرد تھے۔ جنہیں مشرکوں نے دھوکے سے اپنے علاقے میں لے جا کر شہید کر ڈالا تھا۔ اس جماعت میں سے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکینِ مکّہ کے ہاتھ بیچ دیا گیا تھا" کہ وہ مقتولین بدر کے انتقام میں انھیں قتل کریں۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب شہید کرنے کے لیے قتل گاہ میں لے جایا گیا تو مشرکین ہتھیار لے کر ان کے گرد جمع ہو گئے اور انھیں ترسا ترسا کر مارنے لگے۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیرت انگیز صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا۔ ابوسفیان نے انھیں نیزہ مار کر کہا اے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اب تم چاہتے ہو کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے اور تمہاری بجائے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے اس قول پر احتجاج کیا اور فرمایا مجھے تمہارے نیزوں اور تلواروں نے اتنی تکلیف نہیں پہنچائی جتنی اس طعن نے پہنچائی ہے۔ خدا کی قسم میرے جسم کے ٹکڑے اڑا دیے جائیں تب بھی میں ہرگز نہ چاہوں گا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے"

ابو سفیان مشرکوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "واللہ جتنی محبّت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھیوں کو محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے اتنی دنیا میں کسی کو کسی سے نہیں"، یہ کہا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا

میں نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے

سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری جنگِ اُحد میں زخمی ہو کر گرے۔ جب مشرکین کا طوفان تھما تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کوئی ہے جو سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر لائے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں پہنچے اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لے کر باآواز بلند پکارا۔ جواب میں ایک کمزور سی آواز آئی کہ۔

"میں شہداء کی لاشوں میں ہوں"، حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریب جا کر دیکھا تو دم توڑ رہے تھے۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ سے میرا سلام کہنا اور میری قوم انصار کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ میں نے اللہ کے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جو عہد کیا تھا اُسے نبھا دیا ہے اگر تم لوگوں کی زندگی میں خدا نخواستہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تکلیف پہنچی تو فردائے قیامت میں خدا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ یہ کہا اور شہید ہو گئے۔

ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کا سلام حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پہنچایا اور سارا ماجرا کہہ سنایا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا خدا ابن ربیع رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر رحم کرے۔ انھوں نے زندگی اور موت دونوں حالتوں میں خدا اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔

مجھے صرف اللہ کی پناہ کافی ہے

عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ انصاری بڑے بہادر صحابی تھے۔ جنگِ بدر میں انھوں نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا، جس نے مکّے میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بہت دکھ دیا تھا۔ جنگِ اُحد میں مسافع بن طلحہ اور حارث بن طلحہ جیسے دشمنانِ اسلام کو جہنّم واصل کیا۔ کفّارِ مکّہ ہمیشہ ان کی تاک میں رہتے تھے تاکہ ان سے اپنے سرداروں کے قتل کا بدلہ لیں۔

جنگِ اُحد کے بعد نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کفّار کی نقل وحرکت کا پتا چلانے کے لیے دس آدمیوں کی ایک جماعت بھیجی۔ ان کے امیر حضرت عاصم تھے۔ عسفان اور مکّے کے درمیان ہدہ نامی مقام پر کفّار کے قبیلہ بنو لحیان کو ان کی آمد کی خبر ہوگئی اور مشرکوں نے سو تیر انداز انھیں گرفتار کرنے کو بھیجے۔

حضرت عاصم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ مشرکین نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ کچھ دیر مقابلہ ہوا پھر کفّار نے جان بخشی کا وعدہ کرتے ہوئے ان حضرات سے کہا کہ اگر تم پناہ مانگ کر نیچے اتر آؤ تو تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ عاصم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے پکار کر کہا کہ "میں کسی کافر کی پناہ میں آنا نہیں چاہتا میرے لیے اللہ کی امان کافی ہے، اے اللہ! اپنے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہمارے حال کی خبر کر دے۔"

اس پر کفّار نے شدید تیر اندازی کی جس سے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت سات صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ کفّار قریش کو خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور آدمی بھیجے کہ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش لائیں تاکہ اسے جلا کر آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کریں اور ان کی کھوپری کو مسافع اور حارث کی ماں کے ہاتھ فروخت کریں جس نے منّت مان رکھی تھی کہ اگر عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر ملے گا تو ان کی کھوپری میں شراب پیوں گی۔

عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت کے وقت دعا کی تھی کہ خدایا! کوئی مشرک میرے جسم کو نہ چھوئے، غرض کفّار کے بھیجے ہوئے آدمی ان کی لاش لینے آئے، لیکن شہد کی مکھیاں اس کثرت سے وہاں پائی گئیں اور انھوں نے ان لوگوں کو اتنا پریشان کیا کہ مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ انھوں نے رات کا انتظار کیا کہ مکھیاں ہٹ جائیں گی تو سر کاٹ کر لے جائیں گے، لیکن اتنے زور کی بارش ہوئی کہ ان کا جسمِ پاک سیلاب میں بہہ گیا اور مشرکوں کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

شہید زندہ ہیں

مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ جنگ سے پہلے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: "بیٹا! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس جنگ میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا۔

میرے نزدیک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سب سے زیادہ عزیز تم ہو۔ تمہیں گھر پر چھوڑتا ہوں۔ میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں سے نیک برتاؤ کرنا۔" چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معرکہ کارزار میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت حاصل کی۔ مشرکوں نے ان کی نعش کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ جس سے ان کے رشتہ داروں، بالخصوص بہنوں اور بیٹیوں کو بہت غم ہوا۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرما کر انھیں تسلّی دی کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر فرشتے سایہ کیے ہوئے ہیں۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والد کی شہادت کے علاوہ اس بات کا بھی غم تھا کہ وہ کئی بچے چھوڑ گئے تھے، جن کی ذمّہ داری جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آپڑی تھی اور ان کا قرض بھی ابھی ادا کرنا تھا۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے فرمایا: ایک خوش خبری سنو۔ خدا تعالیٰ کسی سے بے پردہ گفتگو نہیں کرتا لیکن تمہارے باپ کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے براہِ راست گفتگو فرمائی اور فرمایا جو مانگو گے دیا جائے گا۔ تمہارے باپ نے کہا میری تمنّا ہے کہ ایک مرتبہ دنیا میں جاکر پھر تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ دنیا سے آنے والے کو پھر واپس کیا جائے، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا پھر میرے متعلق کچھ وحی بھیج دیجیے، چنانچہ قرآنِ پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ الآیۃ

یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک اور صحابی سمیت جو ان کے بھائی تھے، ایک ہی چادر میں ایک قبر میں دفنایا گیا تھا۔ چھ ماہ کے بعد جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کیا۔ کان کے سوا سارا جسم صحیح سالم تھا، یوں معلوم ہوتا تھا گویا ابھی دفن ہوئے ہیں۔ اس واقعہ کے ۴۶ برس بعد ایک سیلاب آیا، جس سے ان کی قبر کھل گئی، دیکھا گیا کہ ان کی لاش بالکل صحیح حالت میں باقی تھی۔

لنگڑے صحابی کا شوقِ شہادت

عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنگِ بدر میں اس لیے شامل ہونے کی اجازت نہ ملی کہ وہ معذور تھے۔ ان کے پیر میں چوٹ آ گئی تھی اور لنگڑا کر چلتے تھے۔ غزوہ اُحد میں یہ پھر میدانِ کارزار کو چلے تو ان کی اولاد نے روکا۔ کہ آپ پر جہاد فرض نہیں۔ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ تم لوگوں نے مجھے بدر جانے سے روکا اب پھر روک رہے ہو لیکن میں ضرور جاؤں گا۔

ان کے بیٹوں نے یہ معاملہ دربارِ رسالت میں پیش کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر سمجھایا کہ تم معذور ہو لہٰذا تم پر جہاد فرض نہیں۔ ان کے سر پر شہادت کا سودا سوار تھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ یہ لڑکے مجھے آپ کے ساتھ چلنے سے روک رہے ہیں۔ لیکن خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ میں اسی لنگڑے پیر سے جنت میں گھسیٹتا ہوا پہنچوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جذبہ دیکھا تو زیادہ زور سے منع فرمانا مناسب نہ سمجھا اور لڑکوں کو سمجھایا کہ اب تم اصرار نہ کرو شاید ان کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہو! حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہتھیار لے کر جب میدانِ جنگ کا رخ کیا تو دعا کی: خدایا!

مجھے شہادت نصیب کر اور اب زندہ گھر واپس نہ لا۔ ان کی دعا مقبول ہوئی۔ جب کفّار کے دو طرفہ حملے سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے خلّاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مشرکوں پر ایک زوردار حملہ کیا اور لڑ کر دونوں باپ بیٹوں نے شہادت پائی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب شہدائے احد کے جسموں میں ان کی لاشیں دیکھی تو فرمایا: "اللہ تعالےٰ اپنے بعض بندوں کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں میں سے ہیں اور میں جنت میں ان کو اسی لنگڑے پاؤں کے ساتھ جاتا ہوا دیکھ رہا ہوں!"

خدائے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم زندہ ہے

جنگِ اُحد میں بعض مسلمانوں کی غلطی سے جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور واضح فتح ایک عارضی شکست میں تبدیل ہو گئی، مجاہدین کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ ستّر قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں اور جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے تو کفّار نے خوشی کے نعرے بلند کیے اور ان میں سے کسی نے بآوازِ بلند اعلان کر دیا کہ "اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ۔ حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم شہید کر دیے گئے ہیں۔ صحابہ کرام جیسی جان نثار جماعت

پر اس ناگہانی خبرِ بد کا جو اثر ہوا وہ بیان سے باہر ہے ۔ بعض حضرات ہتھیار چھوڑ بیٹھے کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ؟ جس کے سامنے اور جس کے جھنڈے تلے دادِ شجاعت دیتے تھے ، جب وہی نہ رہا تو اب لڑائی بے سود ہے لیکن کچھ دوسرے حضرات نے جاں نثاری اور دادِ شجاعت کی وہ مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک اہلِ ایمان کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیں گی۔

انھی مجاہد حضرات میں سے ایک ثابت بن وحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ۔ جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے اور صفوں میں انتشار پیدا ہوا تو انھوں نے آگے بڑھ کر انصار کو آواز دی " اے انصار ! ادھر آؤ ، ادھر آؤ ! یہ دیکھو میں ثابت بن وحداح ہوں ۔ اگر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم شہید ہو چکے ہیں تو خدائے محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم تو زندہ و پائندہ ہے آؤ دین کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دیں ۔ خدا ہمیں فتح سے سرفراز کرے گا ۔ "

ان کی اس آواز پر کچھ انصار ان کے گرد جمع ہو گئے اور انھوں نے کفّار پر ایک بے پناہ حملہ کیا ۔ ثابت بن وحداح رضی اللہ تعالیٰ ایک تیر کھا کر گرے ۔ انھیں زخمی حالت میں میدان سے لایا گیا ۔ عارضی طور پر زخم اچھا ہو گیا ، لیکن تین سال کے بعد پھر کھل گیا اور ان کی وفات کا سبب بنا۔

علمبردارِ اسلام کی شانِ استغنا

مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ماں باپ کے لاڈلے فرزند تھے اور سیر و شکار کا بڑا شوق تھا۔ روزانہ نئی پوشاک پہن کر نوکروں اور شکاری جانوروں کے جلو میں بڑی شان و شوکت سے شکار کو جایا کرتے تھے۔

اتفاقاً نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلّم سے ملاقات ہو گئی۔ مصعب نے ہاتھ پکڑا اور اسلام قبول کر لیا، ماں باپ نے گھر سے نکال دیا برادری نے قطع تعلق کر لیا۔ انھوں نے ہر مرحلے میں ایمانی جراُت کا ثبوت دیا نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے انھیں مبلّغ و معلّم کی حیثیّت سے اپنی تشریف آوری سے پہلے مدینہ روانہ فرمایا۔ مصعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اخلاص اور جدوجہد سے تھوڑی سی مدّت میں سارا مدینہ اسلام کی آغوش میں آ گیا۔

نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلّم مدینے تشریف لائے تو ان کی سادہ پوشاک دیکھ کر حضور صلیّ اللہ علیہ وسلّم کی آنکھوں سے آنسو بہ گئے۔ جنگِ اُحد میں اسلامی فوج کا جھنڈا انھی کے ہاتھ میں تھا۔ بڑی جانبازی اور دلیری سے اپنے فرائض کو ادا کیا اور شہید ہو گئے۔ جسم کا سارا لباس

تار تار ہو چکا تھا۔ دفن سے قبل ان کے لیے کفن کا انتظام ضروری تھا، لیکن اس مردِ حق کی شانِ بے نیازی ملاحظہ کرو کہ شہادت کے بعد بھی استغنا کا اعلیٰ نمونہ پیش کر گئے۔ کفن کے لیے جو چادر میسّر آئی وہ اتنی تھی کہ سر ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے۔ پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا، آخر نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلّم کے حکم سے سر ڈھانک دیا گیا اور پاؤں پر گھاس پھوس ڈال کر اس شہیدِ بے نیاز کو قبر کے سپرد کر دیا گیا۔

ع
اک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حُور کی

یہ تیرے پراسرار بندے

غزوۂ احد کے بعد بھی قریشِ مکہّ کو اتنی ہمّت نہ ہوئی تھی کہ وہ مدینے کا رخ کرتے۔ تاہم ان کا خیال تھا کہ اس غزوۂ میں اہلِ ایمان کو جو نقصان اٹھانا پڑا ہے وہ اس سے بددل ہو جائیں گے اور اسلام کی ترقی خود بخود رک جائے گی، لیکن انھیں یہ دیکھ کر تشویش ہوئی کہ نورِ حق پھیلتا جا رہا ہے۔ بالآخر انھوں نے تمام ان لوگوں کو امداد کے لیے پکارا جو کسی نہ کسی سبب سے اسلام کے دشمن تھے، اور بہت سے لشکر مدینے کی طرف بڑھنے لگے۔ ہادیٔ برحق صلیّ اللہ علیہ وسلّم کو

اس شیطانی یلغار کی اطلاع ملی تو مسجد نبوی میں صحابہ کرام کو جمع کیا، اور انھیں یہ خبر سنا کر مشورہ کیا۔ اس مجلس میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے، انھوں نے عرض کیا اس مرتبہ کفّار کا لشکر بہت بھاری ہے، میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا غازیوں کی جانیں گنوانے کے مترادف ہے۔ ایسے مواقع پر ایران میں خندق کھود کر مدافعت کی جاتی ہے۔ آپ اگر پسند فرمائیں تو یہی تدبیر اختیار فرمالیں۔

نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلمؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ مدینہ تین اطراف سے مسلسل دیواروں، باغات اور گھنے درختوں سے گھرا ہوا ہے اور وہاں سے اچانک یلغار نہیں ہو سکتا تھا۔ صرف شمال کی جانب سے غیر محفوظ تھا۔ اسی لیے وہاں پر خندق بنانے کا پروگرام بنا لیا گیا۔ صحابہ کرام کو دس دس کے گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہر گروہ کو دس گز زمین میں خندق کھودنے کی ذمّہ داری سونپی گئی۔

خود نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلمؐ بھی انھی مزدوروں کے ایک گروہ میں شامل تھے، اور سب کے ساتھ دفاعی خندق کھودنے میں مصروف تھے اور ذیل کا شعر گنگنا رہے تھے ؎

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

اے ہمارے اللہ! بے شک اصل آرام آخرت ہی کا آرام ہے۔ پس

اے اللہ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔ مومنین یہ شعر پڑھتے تھے
نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا
ہم نے خدا کی راہ میں جہاد کی خاطر اپنے آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
ہاتھ بیچ دیا ہے۔

بیس دن اور بیس راتیں مسلسل یہ پراسرار بندے اس مشقت میں
مصروف رہے۔ اس دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ صحابہ کے
ایک گروہ کے سامنے ایک سخت پتھر آگیا، جس کو توڑنا مشکل اور سالم
نکالنا ناممکن تھا۔ انھوں نے باقی سب کو بھی اپنی اس مشکل کو حل
کرنے کے لیے بلایا۔ سب نے باری باری قوت آزمائی کی۔ بالآخر
نڈھال ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں عرض کیا۔ کہ آپ کے غلام بھوک سے نڈھال ہو رہے ہیں۔ یہ
دیکھیے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ پتھر ان کی قوت
سے باہر ہو گیا ہے۔

سرورِ کونین نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھایا تو اس پر
دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ جو اس بات کی دلیل تھی کہ آپ نے کئی
روز سے کچھ نہیں کھایا۔ اس کے باوجود کسی کو اس کا احساس تک

نہ ہو سکا۔ اس سے صحابہ کرام کے حوصلے بلند ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے کدال خود
سنبھال لیا اور اس پتھر کی جانب چل پڑے۔ صحابہ کی جماعت ساتھ
ساتھ روانہ ہوئی۔

فاقہ مستوں کی یہ جماعت جو جسمانی قوت میں نڈھال لیکن روحانی
قوّت سے مالا مال تھی، پتھر کے پاس پہنچی تو حضور علیہ السلام نے کدال
سے ایک بھرپور وار اس پتھر پر کیا۔ ایک شعلہ بلند ہوا اور حضور علیہ السلام
نے ارشاد فرمایا "مجھے مملکتِ شام کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا
کی قسم اس وقت شام کے سرخ محلّات میرے سامنے ہیں"
مومنین کے لیے فتح کی پہلی خوشخبری تھی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم
نے دوسری مرتبہ پھر پتھر پر ضرب لگائی اور ایک اور شعلہ نکلا۔ نبی
کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "مجھے ملک فارس دے دیا گیا ہے
اور مدائن کے سفید محل مجھے صاف نظر آ رہے ہیں" یہ اس عظیم
سلطنت کی پیشین گوئی تھی جو مسلمانوں کے قبضے میں آنے والی تھی
اللہ کے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تیسری ضرب لگائی، تو
پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ گویا قوّتِ روحانی کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ نبی کریم
صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "مجھے یمن کی کنجیاں بھی دے دی گئی ہیں
اور خدا کی قسم صنعا کے دروازے مجھے اس وقت دکھائے جا رہے ہیں"

ہیں۔" خدا کے ان پراسرار بندوں کے آہنی عزم نے خندق کھود کر تمام عساکرِ عرب کو مدینے میں داخل ہونے سے روک دیا اور کئی روز کے محاصرے کے باوجود وہ شہر پر قبضہ نہ کر سکے۔ اس طرح باطل کی کالی گھٹائیں جو مدینے پر امڈ آئی تھیں، نورِ حق کی تاب نہ لاتے ہوئے چھٹ گئیں اور اس کے بعد باطل کو حق کے خلاف جارحانہ کاروائی کی جرأت نہ ہوئی۔

تین سوال

باطل نے حق کو مٹانے کے لیے ایک بھرپور وار کرنے کا فیصلہ کیا کیا تھا۔ یہودیوں اور قریش کے علاوہ غطفان، فزارہ، بنوسلیم، بنواسد اور بنوسعد بھی مدینے سے نورِ حق کو بجھانے کے لیے آ گئے تھے۔ مومنین نے خندق کھود کر تیر انداز مقرّر کر دیے تھے تاکہ اگر کوئی خندق کو عبور کرنے کی کوشش کرے تو تیروں سے اس کا استقبال کیا جائے۔ شیطانی لشکر کے مغرور شہسواروں نے خندق کو عبور کرنے کی جتنی مرتبہ کوشش کی، ناکام بنادی گئی۔

بالآخر قریش کے شہسواروں کے مشہور دستے نے ایک تنگ مقام تاڑ لیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی قیادت میں یہ سوار دستہ لات وہبل کی جے پکارتا ہوا اس طرف بڑھا۔ قریشی شہسوار نسلی تفاخر کے نعرے

بلند کرتے ہوئے اس زعم میں بڑھ رہے تھے۔ کہ تھوڑی دیر میں وہ خندق پار کر کے توحید کے علمبرداروں کا صفایا کر دیں گے۔

مومنین نے دور سے دیکھا کہ کفار کا دستہ شور مچاتا اور گھوڑے دوڑاتا ہوا آرہا ہے۔ انھوں نے اللہ کا نام لے کر تیر برسانا شروع کر دیے لیکن شہسواروں کے اس سیلاب کو تیر نہ روک سکے۔ تاہم خندق کے کنارے پہنچ کر گھوڑوں کو جست لگانے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ کنارے ہی پر رہ گئے۔ صرف چار سوار اس ارادے میں کامیاب ہوئے جن میں عرب کا مشہور پہلوان عمرو بن عبدِ وُدّ بھی تھا جس کو ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

عمرو بن عبدِ وُدّ نے جب یہ دیکھا کہ باقی سوار خندق کو عبور کرنے میں ناکام رہے ہیں اور چار آدمی اسلامی لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اس نے مسلمانوں کو للکارا، کہ "میں ہوں ابنِ عبدِ وُدّ جس کو ہزار سواروں سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا ہے ہے کوئی تم میں سے جو میرے مقابلہ پر آئے۔" جواب میں شیرِ خدا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ پکارے میں ہوں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے روکا۔

"علی یہ عمرو بن عبدِ وُدّ ہے" جناب حیدر رضی اللہ تعالےٰ عنہ دربار رسالت کے اشارے پر چپ ہو رہے۔ عبدِ وُدّ پھر پکارا "ہے کوئی تم میں

سے جو میرے مقابلے پر آئے،، پھر صرف ایک ہی آواز گونجی" میں ہوں محمدّ صلیّ اللہ علیہ وسلّم کا غلام،، نبی اکرم نے پھر ٹوکا۔ تیسری مرتبہ پھر یہ کافر پکارا،،، ہے تم میں سے کسی میں میرے مقابلے پر آنے کی ہمّت ؟" اللہ کے شیر کی آواز پھر فضا میں گونجی،" میں ہوں، علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ، جو تمہیں جہنّم رسید کرے گا،،

نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے پھر وہی الفاظ دہرائے،" علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ تم جانتے ہو کہ مقابلے پر کون ہے ؟" اور شیرِ خدا نے کہا" سرکار دو عالم! میں اسے پہچانتا ہوں، یہ ابلیس عمرو بن عبدود ہے" اللہ کے رسول صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے بے اختیار اسد اللہ کی پیشانی چوم لی اور دست مبارک سے آپ کے سر پر عمامہ باندھ کر تلوار عنایت فرمائی اور اور فتح ونصرت کی دعا دے کر میدان میں جانے کی اجازت بخشی۔

ابن عبدود علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے خوب واقف تھا۔ بدر و اُحد میں ان کی تلوار کی کاٹ آزما چکا تھا۔ اس لیے نام سن کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ شیرِ خدا نے پکار کر کہا،، سنا ہے تو اپنے حریف کو تین سوال کرنے کی اجازت دیتا ہے اور ان میں سے کم سے کم ایک ضرور پورا کر دیتا ہے۔" ابنِ عبدود نے کہا تم نے ٹھیک سنا ہے۔ کہو کیا کہتے ہو،" شیرِ خدا نے کہا،، میرا پہلا سوال یہ ہے کہ تو اسلام

قبول کرے اور اس طرح دنیا و آخرت میں سرفرازی حاصل کرے؛"
اس نے نہایت تکبّر سے جواب دیا۔" یہ نہیں ہو سکتا" حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا دوسرا سوال یہ تھا۔" پھر تو لڑائی سے واپس چلا جا" کبر و نخوت کے پتلے نے جواب دیا۔" یہ نہیں ہو سکتا کہ میں قریشی عورتوں کے طعنے سنوں۔" حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کے بعد پورے جوش سے تیسرا مطالبہ پیش کیا" تو پھر میرے مقابلے کے لیے تیار ہو جا۔ ابنِ عبدود کے لیے یہ مطالبہ بہت غیر متوقع تھا۔ اس کو آج تک کسی نے اس طرح مبارزت کے لیے نہیں پکارا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مجھ سے مرعوب ہو کر سوال کرنے پر اتر آئے ہیں۔ لیکن وہاں تو داعیِ حق اپنا فریضہ ادا کر رہا تھا۔

اس نے ہنستے ہوئے نہایت متکبّرانہ لہجے میں جواب دیا" مجھے امید نہ تھی کہ اس آسمان کے نیچے کوئی شخص میرے سامنے یہ درخواست بھی پیش کرے گا۔ تو ابھی ناتجربہ کار ہے۔ تیرا اور میرا مقابلہ تو کیا ہونا۔ میں عرب کا نامی پہلوان تو کل کا بچہّ۔ میں سوار تو پیدل، میں بہترین ہتھیاروں سے مسلّح، تیرے تن پر نہ زرہ بکتر نہ خود، کیا تیرا زندہ رہنے کا ارادہ نہیں؟ اب بھی لوٹ جا اگر تجھے زندگی درکار ہے تو"
اللہ کے شیر نے نہایت متانت سے مسکراتے ہوئے فرمایا، جو تیرے دل

ہیں تنہا تو نے کہہ لیا۔ تو نے صرف ظاہری قوّت کا حساب لگایا، مگر فیصلہ میرے خدا کے ہاتھ میں ہے اب زیادہ باتیں نہ بناؤ اور میدان میں جوہر دکھاؤ۔" ابن عبدود اپنا سکّہ نہ جمتا دیکھ کر غصّے سے لال پیلا ہو گیا گھوڑے سے اترا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں اور کہا۔" میں پیادہ کے خلاف سوار ہو کر نہیں لڑنا چاہتا۔

لے سنبھل میرا وار آیا ہے" یہ کہہ کر اس نے تلوار کا بھرپور وار کیا۔ شیرِ خدا نے اس وار کو ڈھال پر روکا، لیکن ڈھال کٹ گئی اور تلوار ان کی پیشانی کو زخمی کر گئی۔ زخمی شیر سنبھلا اور دوسرے ہی لمحے شمشیرِ حیدری ہوا میں بجلی کی طرح لہرائی اور ڈھال وزرہ کو کاٹتی ہوئی مغرور دشمن کے سینے میں جا پیوست ہوئی۔ سینہ کٹ گیا۔ زرہ بکتر کی کڑیوں کے ساتھ شانہ بھی کٹ چکا تھا اور مغرور انسان کی لاش کے ٹکڑے خاک پر تڑپ رہے تھے۔ مومنین نے جوشِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور خندق کے دوسرے کنارے سے گالیاں بکنے کی آوازیں آنے لگیں۔

شیرِ خدا کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا، لیکن زخمی شیر ان تین خونخوار بھیڑیوں پر جھپٹا جو ابن عبدود کے ساتھ خندق پار کر آئے تھے۔ جبیرۃ اور ضرار پوری تیزی سے جست لگا کر خندق کے دوسری طرف بھاگ گئے لیکن نوفل خندق میں گر پڑا اور پکارا:" مسلمانو! مانا کہ اب مجھے مر ہی جانا ہے

لیکن میری آخری التجا مانو کہ کم سے کم مجھے شرافت کی موت مرنے دو مومنین کی صف میں سے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور خندق میں کود پڑے جاتے ہی اُسے پکارا " لے میرا وار سنبھل " اور یہ کہتے ہی تلوار کا ایک بھرپور وار کیا جو نوفل کے ساتھ اس کے گھوڑے کو بھی کاٹتا ہوا نیچے نکل گیا۔ اس کی " شریفانہ موت " کو دیکھ کر قریشی شہسوار اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے واپس بھاگ گئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانبازی

غزوۂ خندق کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام خواتین کو ایک چھوٹے سے قلعے میں جمع کر دیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ اس قلعے میں خواتین اور بچوں کے علاوہ حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جو ضعف و بیماری کی وجہ سے جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے۔ اس کے قریب ہی یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ کی بستی تھی۔ جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا اس لیے ان سے مخالفت کی توقع نہ تھی، لیکن یہودیانہ فطرت نے اس قبیلے کو رزالت اور مکّاری پر آمادہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر کہ عرب کے تمام کافر قبائل بیک وقت چلے آئے ہیں، انھوں نے بھی غدّاری کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے بظاہر تو صلح کو برقرار رکھا،

لیکن اپنے جاسوسوں کو بھیجا کہ وہ عورتوں کی قیام گاہ کی فصیل میں کسی شگاف کی خبر لائیں تاکہ عورتوں پر اچانک حملہ کیا جائے۔ ظلم، مکاری اور غداری کی انتہا تھی جس کا منصوبہ بنایا جا رہا تھا، مسلمان خواتین میں سے بعض نے مسلح افراد کو بنو قریظہ کی بستی سے نکلتے دیکھا تھا اس لیے وہ محتاط ہو گئی تھیں۔ سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ اور جناب رسالتمآب کی پھوپھی حضرت صفیہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اچانک ایک جاسوس کو دیکھا جو پرانے قلعے کے آس پاس چکر لگا رہا تھا۔

انھوں نے حضرت حسان سے کہا کہ جاؤ اور اس یہودی کا سر کاٹ کر پرے پھینک دو تاکہ یہودی خوفزدہ ہو جائیں۔ لیکن حضرت حسان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواب دیا "بی بی! میں اس کام کا ہوتا تو عورتوں کے ساتھ کیوں بند کیا جاتا۔"

اس پر حضرت صفیہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ایک خیمے کی چوب نکالی اور باہر جاکر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ حضرت صفیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دربارِ رسالت کے شاعر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ جاؤ اس کا سر کاٹ کر پرے پھینک آؤ اور اس کے کپڑے اتار لاؤ لیکن انھوں نے جواب دیا "نہ بی بی! مجھے اس کے کپڑوں کی ضرورت نہیں۔"

حضرت صفیہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے خود ہی اس کا سر کاٹا اور اسے دور پھینک دیا۔ جب باقی یہودی جاسوسوں نے اس کا کٹا ہوا سر اور لاشہ دیکھا تو انھوں نے جاکر اطلاع دی کہ اس قلعہ نما گڑھی کی حفاظت کے لیے بھی مسلمان مرد موجود ہیں۔ لہٰذا بنو قریظہ نے اس گڑھی پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کی۔

واللہ میں کامیاب ہوں

ایک دفعہ کفّارِ عرب نے اپنی آتشِ انتقام کو بجھانے کے لیے ایک عجیب چال چلی۔ وہ مسلمان بن کر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ارکانِ اسلام سیکھنے کا بہانہ کرکے آپ سے معلّمین کی ایک جماعت اپنے ساتھ لے جانے کا مطالبہ کیا۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ستّر اہلِ صُفّہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جنگل میں جاکر ان غدّاروں نے مسلمانوں کی اس جماعت کو بڑی بے دردی سے ایک ایک کرکے ذبح کر ڈالا۔ ایک صحابی حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب پیچھے سے نیزہ گھونپا گیا تو انھوں نے گرتے ہوئے فرمایا: "ربّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا ہوں"

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ان مردانِ حق نے شہادت کے بعد ہمیں یہ پیغام بھیجا ہے کہ اے پیغمبرِ خدا! ہم نے اللہ

تعالٰے سے ملاقات کی ہے۔ وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہو چکے ہیں۔

شاعرِ اسلام کی شہادت

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش قسمت صحابی تھے جن کے رجزیہ اشعار سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۂ خندق میں صحابہ کرام کی آواز میں آواز ملا کر پڑھے تھے ؎

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا۔

فانزلن سکینۃً علینا وثبت الاقدام ان لاقینا۔

ان الاولیٰ قد بغوا علینا اذ ارادوا فتنۃً ابینا۔

اے خدا! ہمیں ہدایت، نماز کی توفیق اور مال خرچ کرنے کی ہمّت تو ہی نے عطا کی ہے۔ ہم پر اطمینان نازل فرما اور لڑائی میں ثابت قدم رکھ۔ ان مشرکوں نے ہم پر زیادتی کی ہے، لیکن ہم ان کے بد ارادوں کو ناکام بنا دیں گے۔

غزوۂ موتہ میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تین۳ ہزار کا لشکر زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں رومیوں سے لڑنے کو بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر طیار رضی اللہ تعالٰے عنہ

امیر لشکر ہیں۔ ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردار ہیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جسے چاہیں امیر چن لیں۔ صحابہ کرام کو اسی وقت ان تین حضرات کی شہادت کا یقین ہو گیا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں شہید ہو گئے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں کود پڑے ۔

یا نفس ان لم تقتلی تموتی ان تسلمی الیوم فلن تفوتی

او تبتلی فطالما عوفیت

ھٰذی حیاض الموت فقد خلت وما تمنیّت فقد اعطیت

اے جان! اگر تو قتل نہ ہو تب بھی موت ناگزیر ہے، آج نہیں تو کل مرنا ہی ہو گا۔ میدانِ جہاد کی آزمائش تیری تمنّا کے عین مطابق ہے زندگی کے حوض خالی ہو رہے ہیں اور تیری آرزو تجھے مل رہی ہے یہ کہہ کر ایک زور کا حملہ کیا۔ کفّار کی صفیں ٹوٹ گئیں، لیکن خود شہید ہو کر میدان میں گر گئے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان حضرات کی شہادت کی اطلاع صحابہ کرام کو دی اور ابنِ رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر آپ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔

منافق باپ کا مومن فرزند

عبداللہ ابن اُبَیّ منافقوں کا سردار تھا۔ اسے اسلام کی ترقی اور اہلِ اسلام کا عروج ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے اصحاب کو جو تکلیفیں اس سے پہنچیں، وہ اظہر من الشمس ہیں۔ وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا، جس سے اسلام اور اہلِ اسلام کو ضرر پہنچ سکنے کا احتمال ہوتا۔

لیکن خدا کی قدرت کا عجیب تماشہ ہے کہ اس کا بیٹا جو اس کا ہم نام عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھا پکا مومن اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جان نثار تھا۔ اس نے ہر موقع پر جانسپاری اور فداکاری کے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیے۔ جنگِ اُحد میں زخمی ہوا اور اگلے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ہجرت کے نویں سال عبداللہ بن ابی نے تبوک کے راستے میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے اصحاب کو ذلیل اور اپنے جیسے منافقوں کو باعزّت کہا تھا جس سے مسلمان بہت پیچ پا ہوئے۔

عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہیں سے سن لیا کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے باپ کے قتل کا حکم دے دیا ہے۔ ننگی تلوار لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم! میرے

باپ نے آپ سے متعلق نامناسب الفاظ استعمال کیے، بخدا وہ خود ذلیل ہے۔ اگر آپ اسے قتل کرانا چاہتے ہیں تو یہ سعادت حاصل کرنے کی مجھے اجازت دیجیے۔ میں اس کی گردن لا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم تمہارے باپ کو قتل نہیں کرانا چاہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل سے اٹھ کر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کا باپ گزرا تو اسے پکڑ کر کہا اگر تم اقرار کرو کہ تم ذلیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم باعزت ہیں تو بہتر ورنہ میں تمہیں آگے نہ بڑھنے دوں گا۔ حضور ان کی گفتگو سن کر خود تشریف لائے اور باپ کو بیٹے کے چنگل سے چھڑایا۔

اہل و عیال کے لیے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں

صحابہ کرام کی جماعت میں کا ہر فرد حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ بولتا نمونہ تھا، لیکن اس ضمن میں جو امتیاز یارِ غار ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا وہ انہی کا حصہ تھا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ

وسلّم نے ان کے مالی ایثار کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے "جتنا فائدہ مجھے ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مال سے پہنچا اور کسی سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا،" ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "مجھ پر جس کسی نے کوئی احسان کیا ہے۔ میں نے اس کا بدلہ دنیا میں ہی چکا دیا ہے۔ اگر کسی کا کچھ میرے ذمّہ آتا ہو تو اب لے لے۔ لیکن میں ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بدلہ ادا نہیں کرسکتا، اس کا بدلہ میری طرف سے اللہ تعالےٰ میدان حشر میں چکائے گا۔"

غزوۂ تبوک میں لشکر کی تیاری کے لیے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چندے کا مطالبہ کیا۔ سب لوگ مقدور بھر لائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے گھر کا سارا سامان دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصّہ خدمت نبوی میں لے کر آحاضر ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دو ہزار اشرفی نقد اور سینکڑوں اونٹ اور گھوڑے پیش کیے

لیکن ابوبکر کی شان نرالی تھی وہ گھر کا سارا اثاثہ لے کر حاضر ہو گئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ دیا ہے تو عرض کیا کہ ان کے لیے اللہ اور رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ دِل ہی دل میں خوش تھے کہ آج میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ جاؤں گا۔ لیکن ان کا یہ انوکھا جواب

سن کو فیصلہ کیا کہ آیندہ اس شخص سے کبھی مقابلے کی جرأت نہیں کروں گ
ایسے "گھر پھونک کر تماشا دیکھنے والے" کا مقابلہ بھلا کون کر سکتا ہے!

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدّیق کے لیے ہے خدا کا رسُول بس

نابینا صحابی کا شوقِ جہاد

عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نابینا صحابی تھے۔ ان
جلالت، قدر اور عظمت کا اندازہ اسی سے لگا لیجیے کہ قرآن پاک کی سو
عبس ان کے حق میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب کبھی جہا
یا حج وعمرہ وغیرہ کی ضرورت سے باہر تشریف لے جاتے تو مسجد نبوی ک
امام انھی کو مقرر فرما جاتے تھے۔

معذوری کی وجہ سے یہ جہاد سے مستثنیٰ تھے، لیکن پھر بھی شوقِ جہا
اس قدر تھا کہ بارہا جنگوں میں شریک ہوئے اور فرمایا کرتے تھے کہ "او
کچھ نہیں کر سکتا ہوں تو کیا اسلامی فوج کا جھنڈا تھام کر کھڑا بھی نہیں
رہ سکتا ہوں۔ علم میرے ہاتھ میں دے کر دونوں صفوں کے درمیان مجھ
کھڑا کر دو، انشاء اللہ بھاگوں گا ہرگز نہیں! چنانچہ جنگ قادسیہ میں زرہ بکت
پہنے، اسلامی فوج کا جھنڈا ہاتھ میں لیے کھڑے تھے کہ اسی حال میں شہادت
نصیب ہوئی۔

شہادت کی آرزو

خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ عراق اور شام کی فتوحات کے بعد کچھ عرصہ
ـ قنسرین کے حاکم رہے۔ لیکن جلد ہی مستعفی ہو کر مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے۔
ـ۲۱ھ میں ایک مختصر علالت کے بعد ان کی موت واقع ہو گئی۔ آخری وقت
ں نہایت بے قراری کا اظہار کرتے اور بار بار پہلو بدلتے تھے۔ کچھ لوگوں نے عرض
یا: "کیا دنیا کا سب سے بڑا جرنیل موت سے خوفزدہ ہے؟" تو فرمایا! افسوس
م میری بے چینی کا سبب غلط سمجھے ہو۔ میں نے جب سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم
ے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، ہزاروں جنگیں لڑی ہیں اور ہر جنگ میں اس آرزو کو لے
ر گیا ہوں کہ مجھے میدان جنگ میں شہادت کی موت مل جائے، لیکن آہ! میری
یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، میں موت کو ہر میدان میں ڈھونڈتا رہا اور وہ مجھ سے
بھاگتی رہی، آخر آج اس نے مجھے بستر پر آگھیرا ہے۔
میرا جسم کھول کر دیکھو، کہیں چپّہ بھر جگہ نہ ملے گی، جس پر تیر، تلوار، نیزے
یا خنجر کا زخم نہ ہو۔ بزدلوں پر حیف ہے کہ وہ ہر روز مرتے ہیں، لیکن بہادروں
کی موت صرف ایک دفعہ واقع ہوتی ہے!" وفات کے بعد حضرت عمر فاروق
رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا:
" مائیں خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسا فرزند جننے سے معذور ہیں۔ خالد رضی اللہ

تعالےٰ عنہ کی موت ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اے ابوسلیمان خالد رضی اللہ تعالیٰ
اللہ تجھے اسلام اور اہلِ اسلام کی طرف سے نیک جزا عطا کرے، تو نے ا
عظمت کو چار چاند لگا دیے!"
خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جنازے پر ان کی بہن کا غم دیکھ کر حضرت
رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے شدّت غم سے منہ دوسری طرف پھیر لیا اور بے اخ
رونے لگے۔

قریش کا شاہباز

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی شجاعت، جرأت و لبا
کرّ و فر اور تیزی و طرّاری کی وجہ سے "صقرِ قریش" قریش کا شاہباز کہلا
تھے۔ صحابہ اکرام کی جماعت میں انہیں یہ خصوصیّت حاصل تھی کہ ہجرت
بعد مہاجرین کے ہاں سب سے پہلے آپ ہی کی پیدائش ہوئی اور یہود
کا یہ قول باطل ٹھہرا کہ "ہم نے مہاجرین پر جادو کر دیا ہے۔ اب ان کے
اولاد پیدا نہیں ہو سکتی"۔ جب یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں نے بڑی خوشی
اظہار کیا۔
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دست مبارک سے انہیں گھ
دی۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بچّوں کو بیعت نہیں فرماتے تھے، لیکن عبدا
بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو سات سال کی عمر ہی میں بیعت فرما لیا تھا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں سنہ ۲۶ھ والیٔ مصر عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے امیرالمومنین کی اجازت سے افریقہ پر فوج کشی کی۔ ان کے لڑنے کا انداز یہ تھا کہ روزانہ پچھلے پہر دونوں لشکر لڑائی موقوف کر دیتے اور اگلے دن کے لیے تیاری کرتے۔ مدینہ منوّرہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک لشکر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قیادت میں بطور کمک افریقہ روانہ فرمایا۔

جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میدانِ قتال میں پہنچے تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سرح کے اندازِ قتال سے اختلاف کیا۔ ساری فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور لشکر کے دو حصّے کر دیے۔ قرارداد یہ تھی کہ ایک حصّہ حسبِ معمول ظہر تک لڑے گا۔ ظہر کے فوراً بعد تازہ دم فوج میدان میں اترے گی اور پہلی فوج واپس آجائے گی۔

چنانچہ دوسرے دن جب اس تدبیر پر عمل کیا گیا تو دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے مخالف لشکر کے سردار جرجیر نے عین میدانِ جنگ میں اعلان کیا کہ جو شخص مسلمان سپہ سالار کو قتل کرے گا، اس سے میں اپنی بیٹی بیاہ دوں گا۔ اس اعلان پر رومی لشکر کے پاؤں کچھ دیر کے لیے جم گئے۔ ادھر سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان کر دیا کہ جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا ہم اس کے ساتھ جرجیر کی بیٹی کا نکاح کر دیں گے۔ رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ اور اسلامی لشکر صرف بیس ہزار کی

تعداد میں تھا۔ غرض گھسان کا رن پڑا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر سے الگ ہو کر غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جرجیر اپنے لشکر کے پیچھے ہے اور دو لونڈیاں اس پر مور کے پروں سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلانچیں بھرتے فوراً اس کے سر پر جا پہنچے اور آن کی آن میں اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لائے۔

اس خبر سے رومی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ ان سے خالی ہو گیا۔ ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی اور بے حساب مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ برّاعظم افریقہ میں مسلمانوں کی یہ پہلی فتح تھی جس نے آئندہ فتوحات کا دروازہ کھول دیا اور ولید بن عبدالملک اموی کے زمانۂ حکومت میں سارا افریقہ زیرِ نگیں آ گیا۔

مردِ مومن اور موت

لوگوں نے ایک مرتبہ جناب علی المرتضیٰ کو خوارج کے برے ارادوں کے پیش نظر اس بات کا خوف دلایا کہ کوئی کہیں آپ کو عالم بے خبری میں دھوکہ سے شہید نہ کر ڈالے، آپ کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں جو کچھ فرمایا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مردِ مومن کا خدا پر کتنا مضبوط ایمان ہوتا ہے اور وہ موت سے

ڈرتا اور کانپتا نہیں بلکہ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ فرمایا "جب تک میری موت کا مقرر وقت نہیں آلیتا کوئی میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ موت میری نگہبان ہے مجھ پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک مضبوط ڈھال ہے لیکن جب میری موت کا وقت آجائے گا، یہ خدائی ڈھال مجھ سے الگ ہوجائے گی اور مجھے موت کے سپرد کردے گی۔

اس وقت نہ تو موت کا تیر خطا جائے گا اور نہ اس کا لگایا ہوا زخم بھرے گا۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا: لا ابالی اسقط الموت علیّ ام سقطتُ علی الموت "مجھے کچھ پروا نہیں کہ موت مجھ پر آگرے یا میں موت پر گر جاؤں" ایک خطبے میں اسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے: "موت ایک ایسا طالب ہے جس سے بچاؤ کی صورت نہیں نہ کوئی ٹھہرنے والا اس سے بچ سکتا ہے نہ بھاگنے والا اسے تھکا سکتا ہے۔

سب سے زیادہ باعزت موت شہادت کی موت ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تلوار کی ہزار ضربیں میرے لیے بستر پہ مرنے سے زیادہ ہلکی اور آسان ہیں۔

نشانِ مردِ مومن

ابنِ ملجم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چھپ کر قاتلانہ حملہ کیا اور زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے ضربِ کاری لگائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب زخم کھا کر گرے تو زبان سے بیساختہ نکلا:

اللّٰہ اکبر فزت وربّ الکعبۃ لا یفو تنکم الرّجل۔

"اللہ اکبر! ربِّ کعبہ کی قسم، میں نے کامیابی حاصل کر لی، دیکھو یہ شخص جانے نہ پائے"، جب زندگی سے مایوسی ہو گئی تو یہ وصیّت فرمائی "تمہیں میری وصیّت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اور محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقے کو ضائع مت کرنا، ان دونوں ستونوں کو قائم رکھنا اور دونوں چراغوں کو جلائے رکھنا، پھر تمہیں کوئی خدشہ نہیں۔

میں کل تمہارا ساتھی تھا، آج تمہارے لیے عبرت ہوں اور کل تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ اگر میں زندہ رہا تو اپنے خون کے معاملے سے خود نپٹ لوں گا اور اگر میں فوت ہو گیا تو مجھے فنا کے گھاٹ اترنا ہی ہے۔ اگر میں قاتل کو معاف کر دوں تو یہ میرے لیے باعثِ ثواب ہے اور تمہارے حق میں نیکی ہے۔ سو تم معاف کر دینا، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالےٰ تمہیں معاف کر دے؟ واللہ میں نہ موت کو ناپسند کرتا ہوں نہ اسے بیگانہ جانتا ہوں، میری مثال تو اس

پیاسے کی سی ہے جس نے پانی پا لیا ہو اور اس تلاش کرنے والے کی جس نے مقصود کو حاصل کر لیا ہو اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی نیکو کاروں کے حق میں بہتر ہے۔

اسلامی حکومت کے گورنروں کا دستور العمل

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک گورنر کو تحریر فرمایا:

" اگر حاکم کی نیّت بد ہو جائے اور وہ جانبداری کرنے لگے تو عدل و انصاف نہیں کر سکے گا۔ حق کے معاملے میں سب لوگ تمہارے سامنے برابر ہونے چاہئیں کیونکہ ظلم انصاف کا بدل نہیں بن سکتا، جو باتیں تمہیں دوسروں میں اچھّی نہ لگیں ان سے خود پرہیز کرو۔ خدا کے فرائض کی ادائیگی میں اپنے آپ کو لگاؤ۔ اس کے ثواب کی امید رکھو اور اس کی سزا سے ڈرتے رہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دنیا ایک آزمائش گاہ ہے۔

اگر کوئی شخص ایک گھڑی بھر کے لیے صرف دنیا کا ہو کر رہ جائے تو یہ قیامت کے دن اس کے لیے باعثِ شرمندگی ہوگا۔ تم حق سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے یہ بھی تمہارے ذمّہ حق ہے کہ اپنے آپ کو گناہ سے بچاؤ اور پوری کوشش سے رعیّت پر کنٹرول کرو اس سے جتنا فائدہ رعیّت کو ہوگا اس سے زیادہ خود تمہیں ہوگا۔

شاہی میں فقیری

حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ، عرب کے مشہور تاجروں میں سے ایک تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنا مال جس طرح راہِ خدا میں لٹایا اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ:

"میں نے سب لوگوں کے احسانات کا بدلہ اس دنیا میں چکا دیا ہے لیکن ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکا، یہ بدلہ اسے میری طرف سے اللہ تعالےٰ میدانِ قیامت میں دے گا"۔ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلافت سے پہلے کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ جب خلافت کا کام سر پر آپڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ وغیرہما سرکردہ صحابہ کرام نے باہم مشورہ کر کے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وظیفہ بیت المال سے مقرّر کر دیا تاکہ کاروبارِ خلافت میں خلل نہ پڑے اور وہ اپنا سارا وقت اسی کام میں لگا سکیں۔

اس وظیفہ کی مقدار مہاجرین میں سے اوسط درجے کے آدمی کے اخراجات کے حساب سے مقرر کی گئی تھی۔ ایک دفعہ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہ

کی بیوی نے کوئی میٹھی چیز کھانے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے فرمایا:
" میرے پاس قیمت ادا کرنے کو کچھ نہیں" بیوی نے روزانہ کے وظیفے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا کر کچھ پیسے جمع کیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

" اس تجربے سے یہ یقین ہو گیا کہ اگر ہمارا وظیفہ اتنا کم ہو جتنا تم نے روز بچایا ہے تو بھی گذارا ہو سکے گا" یہ کہہ کر جمع شدہ رقم بیت المال میں واپس کرا دی اور آئندہ اتنی مقدار اپنی تنخواہ سے کٹوا دی۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ امّ المومنین کو وصیّت فرمائی تھی کہ میری وفات کے بعد بیت المال کی جو چیزیں میرے استعمال میں ہیں وہ آنے والے خلیفہ کے سپرد کر دی جائیں۔

چنانچہ ان کے بعد جب ایک اونٹنی، ایک پیالہ، ایک خادم اور ایک معمولی سا بستر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا گیا تو وہ رو پڑے اور فرمایا: " اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے اپنے بعد میں آنے والے کو زہد و تقویٰ کی یہ مثال قائم کر کے مشقّت میں ڈال دیا ہے"

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

حکومت کا اسلامی دستورالعمل

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسندِ خلافت پر متمکّن ہونے کے بعد مجمعِ عام میں سب سے پہلی تقریر جو فرمائی وہ اپنی سادگی، اثراندازی اور جامعیّت میں بے مثال ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک مومن حاکم کی حکومت کی پالیسی کیا ہونا چاہیے آپ نے فرمایا:

"اے لوگو! واللہ میں نے کبھی خفیہ یا علانیہ حکومت کی تمنّا نہیں کی۔ میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں، درآنحالیکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اب تمہارا فرض یہ ہوگا کہ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو۔ لیکن اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کردو، یاد رکھو! سچائی امانت ہے اور جھوٹ بددیانتی ہے۔

تم میں سے کمزور ترین آدمی بھی میرے نزدیک طاقتور ہے۔ جب تک کہ میں اس کا حق اسے دلوا نہ دوں اور تم میں سے قوی ترین شخص بھی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں دوسروں کا حق اس سے حاصل نہ کرلوں۔ یاد رکھو! جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کرتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اسے کسی عام مصیبت میں گرفتار کرا دیتا ہے۔ اٹھو! اللہ تم پر رحم کرے۔ اٹھو نماز

کی تیاری کرو۔

میں رسول اللہ کا حکم ٹال نہیں سکتا

جنگِ موتہ ۸ھ کے شہداء کے خون کا بدلہ لینے کے لیے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وفات سے کچھ دن قبل اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کی سپہ سالاری میں ایک مہم روانہ فرمائی تھی۔ اس فوج میں بڑے بڑے آزمودہ کار اور جلیل القدر صحابہ کرام بھی شامل تھے۔

ابھی یہ لشکر روانہ ہوا ہی تھا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہو گیا اور عرب بھر میں فتنہ و فساد اور بغاوت کی ہوائیں تیزی سے چلنے لگیں اس صورت حال کے پیش نظر بعض صحابہ کرام کی رائے تھی کہ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو مرکزِ اسلام کی حفاظت کے لیے روک لیا جائے، کیوں کہ ایسے ناسازگار حالات میں فوج کو مرکزِ خلافت سے دور بھیج دینا اور مدینہ کو خالی چھوڑ دینا قرینِ دانش نہیں۔

علاوہ ازیں اس مہم سے پہلے دوسرے اہم معاملات کا نپٹانا، مثلاً مرتدین کی سرکوبی وغیرہ، ضروری ہے، لیکن جو کچھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہِ دوربین کام کر رہی تھی اس کا کسی کو اندازہ نہ تھا انہوں نے شدت سے اس رائے کی مخالفت فرمائی تھی اور کہا "واللہ اگر مدینہ میں سناٹا چھا

جائے اور وحشی درندے آکر میری ٹانگیں نوچ لیں تب بھی میں اس مہم کو نہیں روک سکتا جس کی روانگی کا حکم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دے چکے ہیں۔ چنانچہ یہ مہم منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوئی اور سوا مہینے کے بعد فتح یاب ہو کر واپس لوٹی۔

عرب میں اس کا بڑا اثر ہوا اور دشمنانِ اسلام نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کے پاس اس قدر طاقت موجود ہے کہ وہ اتنی دور تک جہاد و قتال کے لیے لشکر بھیج رہے ہیں۔

مجاہدین کا ضابطۂ اخلاق

جب حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کے لشکر کو روانہ کیا تو خود پیادہ پا مدینہ سے باہر تک اسے رخصت کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضرت! یا آپ سوار ہو جائیں یا مجھے پیدل چلنے کی اجازت دیں تو فرمانے لگے "بیٹا نہ میں سوار ہوں گا نہ تم پیدل ہو گے۔ تم راہِ خدا میں جہاد کے لیے جا رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں تمہارے گھوڑوں کا اڑایا ہوا غبار مجھ پر پڑ جائے اور میں بھی تمہارے اجر میں شامل ہو جاؤں۔"

جب لشکر کو رخصت کرنے لگے تو فرمایا "اللہ کا نام لے کر راہِ خدا

میں جاؤ۔ امانت میں خیانت نہ کرنا، مالِ غنیمت کو مت چھپانا۔ بدعہدی اور بے وفائی سے پرہیز کرنا۔ دشمنوں کے مُردوں کا حلیہ مت بگاڑنا۔ بوڑھوں بچّوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ سرسبز اور پھلدار درختوں کو مت کاٹنا اور کھانے کی ضرورت کے سوا جانوروں کو ذبح مت کرنا۔

زندگی اور موت کا فلسفہ

تجھ سے میں کیا بیاں کروں سرِّ مقامِ مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ باشرف موت حیات بے شرف

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سیف اللہ) عہدِ صدّیقی میں جب مدّعیانِ نبوّت اور مرتدّین کی مہم سے فارغ ہو چکے تو خلیفۂ رسول کے حکم سے مثنّیٰ بن حارثہ شیبانی کی مدد کے لیے عراق کی طرف کوچ کیا۔ منزل پر منزل مارتے اور راستے کے حکّام کو مطیع کرتے سیدھے ابلہ جا پہنچے۔ اس مقام کو اپنا مرکز بنا کر انہوں نے عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو خط لکھا۔

"اسلام قبول کر لو یا جزیہ ادا کرو، ورنہ تمہیں ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے، جتنی تمہیں زندگی کی تمنّا ہے"۔ ہرمز نے یہ خط شاہِ ایران کو بھجوا دیا اور خود خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ کاظمہ کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ ایرانیوں نے

اس میدان میں اپنے پیروں کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا تاکہ قدم اکھڑنے نہ پا
اور بھاگنے کا خیال تک نہ آسکے، لیکن سیف اللہ کی کاٹ نے اس تدبیر
بھی خاک میں ملا دیا اور آہنی زنجیر کے ٹکڑے اڑا دیے میدان اہلِ اسلام
کے ہاتھ رہا۔ ایرانیوں نے شکستِ فاش کھائی اور ہرمز مارا گیا۔

غیر مسلموں سے فیاضانہ سلوک

اپنی غیر مسلم رعایا سے جس فیاضانہ سلوک کا اسلام نے حکم دیا ہے
اور اسلامی فوجوں کو دشمنوں کے ملک میں داخل ہو کر جس ضابطۂ اخلاق
کا پابند اسلام نے بنایا ہے، اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخِ عالم
قاصر ہے اور انشاء اللہ ابدالاباد تک قاصر ہی رہے گی۔

عہدِ صدیقی میں جب شام پر فوج کشی کا حکم ہوا تو خالد بن ولید
رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالےٰ عنہم، ابو عبیدہ بن جراح
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علیحدہ علیحدہ دستو
کا سپہ سالار اور سب کے اوپر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر العسکر
بنا کر روانہ فرمایا گیا۔ جب فوجیں روانہ ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فوج کے افسروں کو ہدایت فرمائی،

" تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت

کے لیے وقف کر دیا ہے، انہیں مت چھیڑنا، میں تمہیں دس وصیتیں کرتا ہوں کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ پھلدار درختوں کو مت کاٹنا کسی آبادی کو ویران نہ کرنا، کھانے کی ضرورت کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح مت کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدلی مت دکھانا۔

حیرہ نامی مقام کے عیسائیوں نے جب اطاعت قبول کی تو عہدِ صدیقی میں جو معاہدہ اہلِ اسلام اور ان عیسائیوں کے درمیان ہوا تھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

"ان کی خانقاہیں اور گرجے نہیں ڈھائے جائیں گے اور نہ کوئی ان کا ایسا محل گرایا جائے گا جس میں وہ بوقتِ ضرورت دشمنوں کے مقابلہ کے لیے قلعہ بند ہوتے ہوں۔ انہیں ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ وہ اپنے مذہبی تہواروں میں صلیب نکالنے پر روکے جائیں گے۔

خدمتِ خلق کا جذبہ

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نہایت متواضع اور سادہ مزاج تھے، نہ صرف یہ کہ اپنے تمام کام خود ہی سرانجام دینے کی کوشش کرتے بلکہ گلی محلہ والوں تک کے کام کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے تھے ہمسایوں کی خدمت گزاری کا جذبہ یہاں تک تھا کہ بعض دفعہ ان کے مویشی تک چراتے اور دودھ دوہ دیتے تھے۔

جب خلیفہ ہوئے تو آپ کے پڑوس میں ایک لڑکی جس کی بکری کا دودھ آپ دوہا کرتے تھے، بہت متفکر ہوئی کہ اب ہماری بکری کا دودھ کون نکالے گا؟ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ:

"خلافت مجھے خلقِ خدا کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی، یہ کام اب بھی میں ہی سرانجام دیا کروں گا"

سچ ہے سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ۔

ع سروری در دینِ ما خدمت گری ست۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زہد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسلام کو جو شان وشوکت ملی، دوست دشمن سب جانتے ہیں۔ بادشاہوں کے جسم پر آپ کا نام سن کر کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور وہ اپنے تخت پر آپ کی ہیبت سے قرار نہ پا سکتے تھے۔

لیکن ان کی ذاتی زندگی امیر المومنین ہونے کے بعد کس حال میں بسر ہوتی تھی۔ ایک درسِ عبرت ہے آپ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایک مرتبہ مشورہ ہوا کہ جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وظیفہ میں کچھ اضافہ کر دیا جائے، کیوں کہ گزر اوقات میں تنگی ہو رہی تھی۔ ان حضرات نے خود یہ بات امیر المومنین سے نہ کی بلکہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں اس بات کے لیے واسطہ بنایا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ تجویز اپنے جلیل القدر باپ کے سامنے رکھی تو وہ ناراض ہوئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گذر

بسر یاد دلا کر فرمایا کہ میری اور ان حضرات کی مثال یہ ہے کہ تین شخص ایک راہ پر چلے۔ پہلا شخص زادِ راہ لے کر منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ دوسرے نے بھی قدم بقدم پہلے کی پیروی کی اور اس کے پاس جا پہنچا۔ اب تیسرے کی باری ہے، اگر وہ ان دو حضرات کے نقشِ قدم پر چلے گا تو ان کے پاس پہنچ جائے گا ورنہ کبھی ان سے نہ مل سکے گا۔

زہد کی ایک اور مثال

جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں خطبہ دے رہے تھے آپ کے تہ بند میں بارہ پیوند تھے جن میں سے ایک پیوند چمڑے کا تھا ایک دفعہ نمازِ جمعہ کے لیے دیر سے تشریف لائے اور صحابہ کرام سے معذرت کی کہ میں نے کپڑے دھلوا رکھے تھے ان کے سوکھنے کا انتظار تھا اور ان کے علاوہ اور کوئی جوڑا ہے نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے مہمان ہوئے کھانا اتنا سادہ اور کھردرا تھا کہ ان سے کھایا نہ جاتا تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گذارش کی کہ آپ چھنا ہوا آٹا کیوں استعمال نہیں فرماتے تو انہوں نے جواب دیا کہ چونکہ تمام مسلمان میدہ نہیں کھا سکتے اور میں ساری لذتیں اسی جہان میں ختم نہیں کرنا چاہتا، اس لیے وہی کھانا پسند کرتا ہوں

جسے رعایا کی اکثریت کھا سکے۔

بنا کردند خوش رسمے

خلافت فاروقی میں ایرانیوں اور اہلِ اسلام کے جو مقابلے ہوئے ان میں معرکۂ قادسیہ اور معرکۂ نہاوند بہت مشہور ہیں، جنگِ نہاوند میں اہل ایران نے اپنی ساری طاقت جھونک دی تھی ان کا سپہ سالار مردان شاہ ایران کا تاریخی علم درفشِ کاویانی لہراتا ہوا ایک جرّار لشکر لے کر بڑی شان و شوکت اور کرّوفر سے نکلا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر خود میدان میں جانے کا خیال ظاہر کیا مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ارادے کی مخالفت کی اور آخر کار انہیں کی رائے سے نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک فوج دے کر مردان شاہ کے مقابلے میں بھیجا گیا۔

صلح کی گفتگو مردان شاہ کے تکبّر و نخوت کی وجہ سے ناکام ہو گئی، اور نہاوند کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ اسلامی سپہ سالار حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مقرن زخموں سے چُور ہو کر میدان میں گر گئے زخم مہلک تھے لیکن انہوں نے کسی کو اپنی تیمارداری کی اجازت نہ دی اور اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی شخص میری طرف توجہ نہ کرے۔ فوج کو حکم دیا کہ

پوری قوت سے آگے بڑھے۔ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گر جانے کے بعد ان کا بھائی نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی فوج کا علم سنبھالا اور شدید حملہ کر کے ایرانی فوج میں بھگدڑ مچا دی۔ تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور باقی سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

جنگ ختم ہوئی تو مسلمان اپنے سپہ سالار کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی لوگوں سے پوچھا: "مسلمانوں کا کیا انجام ہوا؟" لوگوں نے فتح کی خوشخبری سنادی تو آخری لفظ جو زبان سے نکلے وہ یہ تھے، الحمدللہ! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی خبر پہنچادو!" یہ کہا اور جانِ شیریں جانِ آفریں کے سپرد کر دی ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ہم تمہیں بادلوں سے بھی اتار لائیں گے

حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دمشق اور اردن کی فتح کے بعد شام کے اہم ترین شہر قنسرین کا محاصرہ کیا۔ اہلِ قنسرین اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لیے کافی دیر سے تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے جب محاصرے نے طول کھینچا تو ایک دن حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنفسِ نفیس

شہر پناہ کے دروازے کے پاس پہنچے اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا کر آواز دی فصیل کے برج سے محافظوں نے دیکھا تو آنے کا سبب پوچھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے حاکم یا اس کے نمائندے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

حاکم کا نمائندہ فصیل پر چڑھا تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: "تمہاری یہ حرکت بالکل فضول اور بے فائدہ ہے کہ محصور ہو کر قلعہ میں بیٹھ گئے ہو واللہ! ہمارے پیش نظر نہ مال غنیمت حاصل کرنا ہے، نہ ملک فتح کرنا، ہم تو محض خدا کے نام کی سربلندی کے لیے یہاں آئے ہیں ہم سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے ہم یہ ملک فتح کر کے رہیں گے! خدا کی قسم! اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو تو ہم تمہیں وہاں سے بھی نیچے اتار لائیں گے زود یا بدیر تمہیں بخوشی یا بزور ہماری اطاعت قبول کرنا ہوگی۔"

حاکم قنسرین کو جب یہ پیغام پہنچایا گیا تو وہ کانپ اٹھا اور فوراً مشورہ کرنے کے لیے دربار آراستہ کیا۔ ایک بوڑھے پادری نے رائے دی کہ شہر کا دروازہ کھول دیا جائے اور مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ مسلمانوں کے سپہ سالار نے جو کچھ کہا ہے یہ اس کا اپنا قول نہیں ہے" مجھے اس میں اقوالِ نبوت کی خوشبو آتی ہے" چنانچہ اسی رائے پر عمل ہوا اور قنسرین پر بآسانی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

فتح وشکست کا راز

جب شام کے علاقے یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے قبضے میں آنے لگے دمشق، اردن اور حمص فتح ہو گئے تو رومی جوش وخروش سے لبریز ہو کر ہرقل شاہِ روم کی خدمت میں فریاد لے کر پہنچے کہ مسلمانوں نے سارا ملک شام لتاڑ ڈالا ہے۔ ہمارے علاقے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پامال ہو کر رہ گئے ہیں،

کوئی طاقت مسلمانوں کے سیلِ بے پناہ کو روک نہیں سکتی! اس فریاد پر ہرقل نے اپنی سلطنت کے صائب الرائے پختہ کار لوگوں کو مشورہ کے لیے بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ عرب تم سے تعداد، اسلحہ اور دیگر ساز وسامان میں کم ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ تم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے؟ اس سوال پر سب کی گردنیں جھک گئیں۔

ایک تجربہ کار شخص بولا کہ" اہل عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے بہتر ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے ہیں کسی پر ظلم وستم نہیں کرتے۔ آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہمارا یہ حال ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، وعدہ کی پابندی نہیں کرتے، دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا ہر کام

جوش و استقلال سے خالی ہوتا ہے اور اہل عرب ہر کام میں جوش وخروش کے پختگی اور نظم وضبط ہوتا ہے۔

خدا تمہیں واپس لائے

اہلِ اسلام کی روز افزوں فتوحات اور ان کے مقابلے میں رومیوں کی عاجزی دیکھ کر قیصر روم ہرقل نے شام چھوڑ جانے کا ارادہ کیا ادھر عیسائی رعیّت جوق درجوق فریادی بن کر دربارِ شاہی کا رخ کر رہی تھی اس صورت حال سے قیصر کو غیرت آگئی اور وہ پوری قوّت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

تمام مقبوضہ علاقوں میں فوجی نقل وحرکت اور لام بندی کے احکام جاری کر دیے گئے۔ رومیوں کا ٹڈی دل لشکر انطاکیہ میں جمع ہو گیا۔ اسلامی افواج کے سپہ سالارِ اعظم ابو عبیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب یہ اطلاع ملی تو تمام افسرانِ فوج کو مشورہ کے لیے بلایا۔ طے پایا کہ تمام منتشر فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا۔

جن علاقوں سے فوجیں ہٹائی گئی تھیں چونکہ اب مسلمان ان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے اس لیے صحابہ کرام کے مشورہ سے جزیہ کی رقم ان غیر مسلم مفتوحین کو واپس کر دی گئی۔ اس حسن اخلاق کا

ان لوگوں پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رونے لگے اور ان کے بوڑھے، عورتیں اور بچے دامن پسار پسار کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کر رہے تھے۔ وہ باآوازِ بلند کہہ رہے تھے " اسی عدل و انصاف کے بل پر کائنات قائم ہے، حکومت کے حق دار درحقیقت تم لوگ ہی ہو، خدا تمہیں فتح دے اور جلد واپس لائے۔

زخمی صحابہ اکرام کا ایثار

قادسیہ کی فتح نے اگر عراق کی قسمت کا فیصلہ اہلِ اسلام کے حق میں کر دیا تھا تو معرکۂ یرموک نے شام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قیصرِ روم کے اقتدار سے آزاد کر دیا۔ یرموک اردن کے علاقہ میں ایک وسیع میدان تھا، جہاں اسلامی اور رومی فوجیں پنجہ آزما ہوئیں۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی جس میں سے نصف تعداد میدانِ جنگ میں لقمۂ اجل بن گئی۔

مسلمان کل تیس ہزار تھے جن میں سے تین ہزار نے شہادت پائی اس معرکہ کے ساتھ اہلِ اسلام کو کس قدر دلچسپی تھی، اس کا اندازہ اس امر سے ہوگا کہ اہلِ مدینہ ہر نماز میں رو رو کر فتح کی دعائیں کرتے تھے امیرالمؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن تک یرموک کی خبر کے انتظار میں سو بھی نہ سکے۔ ہر وقت تشویش میں مبتلا رہتے تھے۔ اس جنگ میں ایک ہزار ایک سو صحابہ اکرام نے حصہ لیا تھا، جن میں سے ایک سو وہ بزرگ تھے

جنہیں غزوۂ بدر کی شرکت نصیب ہو چکی تھی۔ شجاعت، جانبازی، للّٰہیت اور جذبۂ ایثار ان حضرات میں کس قدر تھا اس کا اندازہ اس قصّہ سے ہو گا جو حضرت ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں اس لڑائی میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا، میرے ساتھ پانی کا مشکیزہ بھی تھا۔

میں نے انہیں میدانِ جنگ میں دم توڑتے پایا۔ جب انہیں پانی پلانے کا ارادہ کیا تو ایک دوسرے صاحب جو قریب ہی پڑے جان توڑ رہے تھے انہوں نے آہ کی۔ میرے چچا زاد بھائی نے پانی پینے سے انکار کر دیا اور اشارے سے مجھے ان دوسرے صاحب کی طرف پانی لے جانے کو کہا۔ میں ان کے پاس گیا۔ وہ ہشام بن ابی العاص نکلے۔ میں انہیں پانی پلانے کو ہی تھا کہ قریب ہی سے ایک تیسرے صاحب کی آہ کی آواز سنائی دی۔

ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے ان کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور پانی نہ پیا۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو وہ شہید ہو چکے تھے۔ واپس ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو وہ بھی جان بحق ہو چکے تھے۔ آخر اپنے بھائی کے پاس واپس آیا تو وہ بھی پیاسے ہی جنّت کو سدھار چکے تھے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن

ایرانی شہنشاہ یزدگرد نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے سیلِ بے پناہ کے سامنے ایرانیوں کے قدم کسی معرکے میں نہیں ٹکتے تو اس نے اپنی سلطنت کے مایۂ ناز جنگ جو پہلوان رستم کو اہل اسلام کے مقابلے کے لیے نامزد کیا۔ رستم دل سے خائف تھا۔ چاہتا تھا کہ کسی طرح چھٹکارا ہو جائے اور مسلمانوں سے نہ لڑنا پڑے۔ مگر بادشاہ کے اصرار پر مجبور ہو گیا۔

ادھر دربارِ خلافت سے کافی مشورہ اور غور و خوض کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار فوج چنا گیا۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس معرکہ میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اکابرِ صحابہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رائے سے انہوں نے یہ ارادہ منسوخ فرما دیا اور حضرت سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو روانہ فرماتے وقت بڑی قیمتی نصیحتیں فرمائیں جن میں خوفِ خدا۔ اتباعِ حق اور اطاعتِ الٰہی پر زور دیا

حضرت سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایرانی سپہ سالار کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

"فانّ معی قوماً یحبّون الموت کما تحب الاعاجم الخمسا"

میرے ساتھ ایک ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسا محبوب سمجھتی ہے

جس طرح تم لوگ شراب کو محبوب رکھتے ہو۔۔ اللہ اللہ! ایسی قوم جس کا یہ ایمان ہو، دنیا میں کبھی مفتوح ہو سکتی ہے؟

عورتوں کی حیرت انگیز بہادری

شعرائے عرب میں خنسار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہایت، بلند مقام حاصل ہے اہلِ علم انہیں دنیا بھر کی شاعر عورتوں کی سردار مانتے ہیں۔ بالخصوص مرثیہ گوئی میں ان کا جواب نہیں۔ زمانہ جاہلیّت میں انہوں نے اپنے بھائیوں صخر اور معاویہ کے بڑے پردرد اور زوردار مرثیے لکھے تھے۔ لیکن اسلام نے اس عظیم شاعرہ میں کیا تبدیلی پیدا کی، اس کا اندازہ ذیل کی حکایت سے ہوگا۔

خنسا۔ رضی اللہ تعالے عنہا صحابیہ ہیں۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے شعر ان کی زبان سے سن کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔ جنگِ قادسیہ کے لیے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ نے شرکتِ عام کی منادی کرائی تو حضرت خنسار رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چاروں بیٹوں سمیت میدانِ جنگ کو روانہ ہوگئیں، لڑائی سے پہلے انہیں ایک جگہ جمع کرکے پرجوش تقریر کی جس میں فرمایا:

" میرے جگر گوشو! تم اپنی مرضی سے اسلام لائے ہو اور اپنی مرضی سے ہی ہجرت کی ہے۔ خدائے واحد کی قسم! میں نے نہ تو تمہارے باپ سے

خیانت کی ہے اور نہ تمہارے ماموؤں کو رسوا کیا۔ واللہ! تم واقعی اپنے باپ کی اولاد ہو۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نام پر لڑنے کا حکم دیا ہے اور دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی باقی زندگی پر قربان کر دینا ہی سعادت ہے۔

کل جب حق و باطل کا معرکہ قائم ہو تو اٹھو اور خدا کی مدد پر بھروسا رکھتے ہوئے دلیری سے لڑائی کی بھڑکتی ہوئی آگ میں گھس جاؤ۔ کافروں کے سردار کا مقابلہ کرو۔ خدا نے چاہا تو جنت میں تمہاری مہمانی تیار ہے" دوسرے دن چاروں نوجوان اپنی مجاہد ماں کی نصیحت کے مطابق میدان میں گھس گئے اور جزیہ اشعار پڑھتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ جب حضرت خنساء کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو فوراً بولیں:

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ان کی شہادت سے بلند مرتبہ عطا کیا۔ امید ہے رحمتِ خداوندی کے سائے میں میں بھی ان کے ساتھ رہوں گی!"

عزّت اور ذلّت کا پیمانہ

خلافتِ فاروقی میں بیت المقدس کی مہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سپرد تھی۔ معرکۂ یرموک میں اہلِ اسلام کی عظیم فتح کے بعد رومیوں کی ساری توجہ بیت المقدس پر مرکوز ہو گئی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے

لگے ۔ اسی اثنا میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسلامی افواج کے سپہ سالار اعظم بھی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے آملے ۔ عیسائیوں نے کچھ عرصہ تک مقابلہ کیا لیکن اب ان کی ہمت جواب دے گئی تھی ۔ لہذا انہوں نے اس شرط پر صلح کے لیے آمادگی ظاہر کی کہ امیرالمومنین خود آکر معاہدہ صلح مرتب کریں ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ساری صورتِ حالات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے صحابہ کرام کے مشورہ سے عیسائیوں کی اس شرط کو منظور کر لیا

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بنایا اور خود ۱۶ھ میں بیت المقدس کو روانہ ہوئے ۔ سفر ان کی سادگی ، خدا ترسی ، جذبہ خدمتِ خلق اور اسلامی روح کے اظہار کی منہ بولتی تصویر تھا ۔

صرف ایک غلام کو ساتھ لیا تھا ۔ زادِ راہ کے طور پر ستّو کی تھیلی اور سواری کے لیے ایک اونٹ تھا ۔ اسی اونٹ پر باری باری سے سوار ہوتے تھے ۔ جابیہ کے مقام پر عیسائیوں کے ساتھ وہ تاریخی معاہدہ ہوا جو اسلامی رواداری غیر مسلموں سے فیاضانہ برتاؤ اور اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کی حیرت انگیز مذہبی آزادی کی عظیم دستاویز کے طور پر مشہور ہے

مفتوحہ علاقے کے غیر مسلموں کو جان ، مال اور مذہب تینوں چیزوں کا واضح تحفظ دیا گیا ۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت امیرالمومنین بیت المقدس

روانہ ہوئے۔ اسلامی فوج کے افسروں نے شہر کے باہر آپ کا استقبال کیا عیسائی رعایا مسلمانوں کے بادشاہ کو دیکھنے کے لیے امنڈ آئی تھی۔ جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لباس اتنا سادہ، معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانوں کو اسے دیکھ کر اس خیال سے شرم آرہی تھی کہ غیر مسلم انہیں اس لباس میں دیکھ کر کیا کہیں گے عمائد فوج نے ایک ترکی گھوڑا اور قیمتی نئی پوشاک پیش کی لیکن جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر دونوں چیزیں لوٹا دیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے جو عزّت ہمیں دی ہے وہ اسلام کی وجہ سے ہے اور یہی عزّت ہمارے لیے کافی ہے۔ کسی مصنوعی ٹھاٹھ اور جعلی عزّت کی ضرورت نہیں ہے۔"

چنانچہ وہ اسی لباس میں بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ ادھر عیسائی پادری راستے میں کھڑے آپ کے شہر میں داخلے کا نظّارہ کر رہے تھے انہوں نے گواہی دی کہ واقعی ہمارے مذہبی نوشتوں کے مطابق یہی شخص ہے جسے بیت المقدس کی کنجیاں دی جانی چاہییں تھیں۔ حق بحقدار رسید!

حضرت سیف اللہ کا جذبہ حق

خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰے عنہ نے اپنی جرأت و بسالت کی وجہ سے دربار نبوت سے سیف اللہ (شمشیر الٰہی) کا قابل فخر خطاب پایا تھا۔ ایران، عراق اور شام کی فتوحات میں انہوں نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ وہ ہر لحاظ سے "خدائی تلوار" ہیں۔ انہوں نے کسی معرکے میں شکست نہیں کھائی۔

غیر مسلموں کے لیے ان کا نام ہی خوف کا باعث تھا۔ وہ جس معرکے میں خالد رضی اللہ تعالٰے عنہ کی موجودگی کی خبر سن لیتے، ان کے حوصلے پست ہو جاتے۔ ان کی جنگی مہارت، ان کی شجاعت اور جانبازی تاریخ اسلام کے زریں باب بن چکے ہیں لیکن ان سب باتوں سے ماوراء ان کا جذبۂ اطاعت بھی ایسا بے نظیر ہے کہ دنیا کی تاریخ شاید اس کی مثال پیش نہ کر سکے۔

عین جب ان کارزار میں، دشمنوں کی سرزمین میں، دوپہری روشنی میں حضرت خالد رضی اللہ تعالٰے عنہ کی معزولی کا حکم دربار خلافت سے پہنچا۔ قاصد نے معزولی کے نشان کے طور پر ان کی ٹوپی سر سے اتار لی اور ان کی پگڑی گردن میں ڈال دی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالٰے عنہ نے اگر زبان سے کچھ کہا۔ تو صرف یہ کہ: میں نے اس حکم کو سنا اور اطاعت کی۔ میں آئندہ بھی

حکم ماننے اور خدمات بجا لانے کو تیار ہوں۔ بعض تاریخی روایات کی بنا پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ :

" الحمد للہ ! میں اب ایک عام سپاہی کے طور پر زیادہ بہتر طریقہ سے اسلام کی خدمت سرانجام دے سکوں گا۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلطنت کے تمام علاقوں میں ایک گشتی مراسلہ بھجوایا تھا، جس میں لکھا تھا کہ : میں نے خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کسی ناراضگی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ ان کے فوجی کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اور خدشہ تھا کہ کہیں مسلمان خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر ہی انحصار نہ کر لیں۔

میں نے انہیں اس لیے معزول کر دیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فتح و نصرت خدا کی طرف سے ہے اور ہم سب، اس کے بندے ہیں۔

نماز کے بغیر آدمی کس کام کا

۲۸ ذوالحجہ ۲۳ھ کو نماز فجر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر ایک مجوسی غلام ابو لؤلؤہ فیروز نے قاتلانہ حملہ کر کے چھ کاری زخم لگائے وہ اس مذموم مقصد کے لیے پہلے سے محراب میں چھپا بیٹھا تھا۔ جونہی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نماز کی نیت باندھ کر سورۃ فاتحہ کی قرأت شروع کی

اس نے محراب سے نکل کر آن کی آن میں آپ کو زخمی کر کے گرا دیا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فوراً آگے بڑھ کر مختصر نماز پڑھائی۔ قاتل نے بھاگنے کی کوشش میں کئی اور صحابہ اکرام کو زخمی کیا اور آخر جب دیکھا کہ گرفتار ہو گیا ہے تو خودکشی کر لی۔

• حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اٹھا کر ان کے گھر لایا گیا۔ ہوش میں آنے تو سب سے پہلی بات یہ کی کہ "نماز کا وقت ہے؟" لوگوں نے کہا کہ ہاں! فرمایا مجھے قبلہ رخ کر دو۔ اسی حالت میں نماز ادا کی اور فرمایا: "خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ فرض ادا کرنے کی توفیق دی۔ بھلا نماز کے بغیر آدمی کس کام کا ہے؟" پھر پوچھا: "میرا قاتل کون ہے؟" لوگوں نے اس مجوسی غلام کا نام لیا۔ تو فرمایا: "الحمد للہ! میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں! ورنہ میرے قتل کی وجہ سے وہ جہنم کا ایندھن بنتا۔"

میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہا ہوں"

معرکۂ یرموک میں جب پے در پے ذلت آمیز شکستوں کا سامنا ہوا تو رومی سپہ سالار ماہان بوکھلا اٹھا اور اس نے شاہ روم سے مزید کمک طلب کی اس خبر کو پا کر سپہ سالارِ افواجِ اسلام ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربارِ خلافت سے امداد کی درخواست کی۔ فریقین اپنی اپنی کمک کے انتظار میں پڑے رہے

اور لڑائی عملی طور پر چند دن کے لیے از خود بند ہوگئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی ک
مسلمان لڑائی میں پہل نہ کرتے تھے اور اگر فریقِ مخالف میدان میں نہ نکلتا تو ا
پر حملہ آور ہونا شانِ شجاعت کے خلاف جانتے تھے۔ چنانچہ جنگِ یرموک میں
بھی یہی صورتِ حال پیش آئی۔

آخر چند دن کے بعد دونوں طرف سے تازہ دم فوجیں میدان میں آپہنچیں
رومیوں کا نووارد لشکر مور و ملخ کی مانند تھا اور مسلمان صرف سات ہزار کی تع
میں آئے تھے۔ ماہان نے کمک پہنچ جانے پر بھی لڑائی سے گریز کی پالیسی پر عم
جاری رکھا۔ دراصل وہ فریب سے شب خون مارنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک د
بالکل سویرے جب اسلامی لشکر جنگ کے لیے قطعاً تیار نہ تھا۔ بے پناہ رومی سپا
اسلامی لشکر پر اچانک ٹوٹ پڑے۔

خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ فی الفور پانچ سو سواروں کا دستہ لے
کر مقابلے میں ڈٹ گئے اور جب تک اسلامی لشکر باضابطہ لڑائی کے لیے تیار
ہوا۔ دشمن کو روکے کھڑے رہے۔ جب فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو قبیلۂ آز
کا ایک نوجوان سپہ سالار ابو عبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر
ہوا اور یوں اجازتِ قتال طلب کرنے لگا کہ " اے سپہ سالارِ امیر المومنین! میر
پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے، مجھے قتال کی اجازت دیجئے۔ میں عنقریب رسول ا
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا چاہتا ہوں، اگر آپ کو کوئی پیغا

دینا ہو تو وہ بھی کہہ دیجئے"۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نوجوان کی گفتگو سے آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

"اے نوجوان! جا اللہ تیری آرزو پوری کرے۔ جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہو تو ہماری طرف سے سلام کے بعد عرض کیجو کہ اے رسولِ برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم! ہم آپ کے طریقے پر برابر چل رہے ہیں جو جو وعدے آپ نے فرمائے تھے، پورے ہو چکے ہیں"۔

یہ ازدی نوجوان میدان میں نکلا اور اس وقت کے دستور کے مطابق مخالف فوج سے مدِ مقابل طلب کیا۔

یکے بعد دیگرے چار دشمن مقابلے پر آئے اور چاروں آن کی آن میں جہنّم رسید ہو گئے۔ آخر پانچویں جنگجو کے ہاتھوں اس نوجوان نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس نوجوان کی شہادت نے میدانِ قتال گرم کر دیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔

مجاہدین اسلام کی صفات

فاتح مصر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب مصر کے مشہور قلعے بابلیون کا ۲۰ھ میں محاصرہ کیا تو یہ وقت دریائے نیل کی طغیانی کا تھا قلعہ بہت مضبوط تھا۔ اس کی فصیل میں شگاف بھی نہیں پڑ سکتا تھا اور اسلامی فوج کے پاس قلعہ شکن آلات بھی بہت کم تھے۔ ان وجوہات کے باعث قلعے کا محاصرہ طویل ہو گیا۔

جب حاکم مصر" مقوقس نے آٹھ ماہ کے حصار کے بعد دیکھا کہ اسلامی فوج صبر و ثبات میں بے مثال ہے تو وہ اپنے کچھ اعزا اور اہل و عیال سمیت اس قلعہ سے جزیرہ روضہ میں منتقل ہو گیا اور وہاں سے صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کرنے لگا۔ اس نے حضرت عمرو بن العاص کو خط لکھا کہ: "تم ہماری سرزمین پر چڑھ آئے ہو اور کافی مدت سے یہیں مقیم ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری تعداد کم ہے۔ اگر اہل روم نے جن کے میں ماتحت ہوں تم پر چڑھائی کر دی تو سوائے ندامت کے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

بہتر یہ ہے کہ تم ہمارے پاس اپنے سفیر بھیجو، ممکن ہے ہم لوگ ان سے گفتگو کے بعد کسی اچھے نتیجے پر پہنچ جائیں اور خونریزی رک جائے" عمرو بن العاص

رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بحکم امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ، مقوقس شاہِ مصر کو لکھا : " ہمارے تمہارے درمیان صرف تین شرائط ہیں، ان میں سے جو پسند ہو مان لو :

(ا) تم اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ اور ہمارے تمہارے حقوق و فرائض برابر ہو جائیں۔

(ب) اگر تمہیں اسلام سے انکار ہے تو جزیہ ادا کر کے ہماری حمایت میں آ جاؤ۔ ہم تمہاری جان و مال اور عزّت و آبرو کے محافظ ہوں گے۔

(ج) اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میدانِ قتال میں نکلو، اللہ تعالےٰ ہمارے تمہارے درمیان بہترین فیصلہ کر دے گا۔"

مقوقس کے ایلچی سپہ سالارِ اسلام کا پیغام لے کر واپس آگئے تو ان سے اس نے مسلمانوں کے حالات کرید کرید کر پوچھے، ان کا جواب یہ تھا کہ " ہم نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جو موت کو زندگی سے زیادہ محبوب سمجھتی ہے۔ ان کے ہاں تواضع تکبّر سے زیادہ پسندیدہ ہے وہ دنیا پر نہ حریص ہیں، نہ اس کے لیے ایک دوسرے پر پیشقدمی کرتے ہیں۔ وہ مٹی پر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کا امیر انہی کا ایک فرد ہے۔ ان میں بڑھیا اور گھٹیا کا کوئی سوال نہیں اور نہ آقا و غلام کی تمیز ہے۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب جمع ہو جاتے ہیں۔ کوئی پیچھے نہیں رہتا۔ وہ اپنے ہاتھ منہ پانی سے دھوتے ہیں (وضو کرتے ہیں) اور نماز میں

بہت عاجزی کرتے ہیں!" شاہِ مصر نے جب یہ کلام سنا تو مرعوب ہوگیا اور فوراً صلح پر آمادہ ہوگیا۔

قلّت وکثرت

قرآن پاک کا ارشاد ہے :

کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِیلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ؀

" بحکم خداوندی بہت سے چھوٹے گروہ بڑی جماعتوں پر غالب آتے ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔"

اس آیت کے مطابق اسلام تعداد کی قلّت یا کثرت پر فتح ونصرت کا مدار نہیں رکھتا ۔ یہ چیز اس کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی ہے ، اصل اہمیّت ایمان اور اخلاق کی بلندی کو حاصل ہے ۔ اسلامی تاریخ ایسے سینکڑوں ، ہزاروں واقعات پیش کر سکتی ہے کہ اہلِ اسلام کی تعداد کفّار کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی ، لیکن پھر بھی خدا کے فضل سے فتح اہلِ اسلام کو حاصل ہوئی

خلافت راشدہ کی فتوحات ایسے واقعات سے پر ہیں ۔ جنگِ یرموک کے ایک معرکے میں خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زیر قیادت ساٹھ صحابہ اکرام نے بنو غسان کی ساٹھ ہزار فوج کا نہایت بے جگری سے مقابلہ کر کے دشمنانِ اسلام پر دھاک بٹھا دی تھی ۔ اکثر صحابہ اکرام خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اس تجویز کے پہلے پہل خلاف تھے ، لیکن خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دلائل سے انہیں قائل

ہوا پڑا۔ خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مشورے کے دوران میں اپنی تجویز کے حق میں یہ دلیل بھی پیش کی تھی کہ" میں ایک کا مقابلہ ایک ہزار سے کرا کے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آیا ہم وہ ایماندار ہیں یا نہیں جن کی پشت پناہی خود اللہ تعالےٰ کرتا ہے" یہ غسانی عیسائی عربی النسل تھے اور رومیوں نے اس مثل کے مطابق کہ "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے" خود مقابلے سے گریز کرتے ہوئے انہیں آگے کر دیا تھا۔ ان غسانیوں کا سردار جبلہ بن ایہم تھا۔ جو بڑے طمطراق سے ایک بڑی جماعت سمیت مسلمان ہو کر مدینہ ہی میں رہائش پذیر ہو گیا تھا۔

لیکن ایک غریب مسلمان کو بلا وجہ حج کے موقع پر تھپڑ مار دینے کی وجہ سے جناب عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ یا اس مسلمان سے مانگو یا قصاص دو۔ جبلہ مہلت مانگ کر رات کی تاریکی میں فرار ہو گیا تھا اور حدودِ عرب سے باہر جا کر مرتد ہو گیا تھا۔

غرض جنگِ یرموک کے اس معرکے میں صرف دس مسلمان شہید ہوئے اور پانچ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے کیونکہ میدان جنگ میں ان کے ہتھیار ناکارہ ہو گئے تھے۔ ان قیدیوں کو خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ بزورِ شمشیر نہایت ہوشیاری سے چھڑا لائے تھے۔ غسانی پانچ ہزار مارے گئے اور زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ اس حیرت انگیز اور بے مثال جرأت کی وجہ سے اہل اسلام کی ہیبت دشمنان اسلام پر چھا گئی اور خالد رضی اللہ

تعالےٰ عنہ کا نام تو ان کے لیے ایک ہوّا بن گیا۔ جس میدان میں خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی موجودگی کا انہیں علم ہو جاتا، ان کی ہمّتیں جواب دے جاتیں اور جنگ سے پہلے ہی پاؤں تلے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوتی۔

کیا آپ میری زندگی میں کمی بیشی کر سکتے ہیں؟

جنگ یرموک کے ایک معرکے میں عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے انفرادی لڑائی شروع ہوئی تو مخالف فوج سے ایک آزمودہ کار جنگجو ڈکارتا ہوا نکلا اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا ہو کر مبارز طلب کرنے لگا۔ اسلامی فوج سے قیس بن ہبیرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ امیرِ لشکر کی اجازت سے نکلے اور اس بہادر سے گتھم گتھا ہو گئے۔

پہلے نیزہ بازی اور پھر شمشیر زنی کے کرتب دونوں جوانوں نے دکھائے۔ دورانِ قتال میں قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ کر گر گئی تو انہوں نے فوراً خنجر سونت لیا۔ خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس حال میں دیکھا تو پکار کر واپس آنے کو کہا۔ قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باآوازِ بلند جواب دیا۔ "کیا آپ میری زندگی میں کوئی کمی بیشی کر سکتے ہیں؟" اتنے میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہما اپنے سپاہی کو دوسری تلوار دینے کے لیے میدان میں پہنچ گئے۔ مخالف فوج نے یہ سمجھ کر کہ یہ نیا آنے والا

بھی لڑنے کی نیت سے نکلا ہے۔ دو سپاہی فوراً میدان میں اتار دیے چند لمحوں میں تینوں رومیوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں اور دونوں مجاہد اسلامی لشکر کے نعرہ ہائے تکبیر و تحسین کا جواب مسکراہٹ سے دیتے ہوئے اپنی صفوں میں آ کھڑے ہوئے۔

سیف اللہ کی قوتِ بازو

جب رومی لشکر نے آزما کر دیکھ لیا تو نیزہ و شمشیر کی انفرادی و اجتماعی جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری ہے تو ان کے سپہ سالار ماہان نے جنگِ یرموک کے چوتھے معرکے میں ایک لاکھ تیر اندازوں کا ٹڈی دَل میدان میں اتار دیا۔ ان سب نے بیک وقت تیر اندازی شروع کر دی جس سے اسلامی لشکر کو سخت نقصان پہنچا۔ سینکڑوں مجاہدین کی آنکھیں ضائع ہو گئیں۔

یہ دن یرموک کے معرکوں میں سخت ترین دن ثابت ہوا۔ تیر اندازوں کا سیلاب بڑھا چلا آ رہا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ تعالےٰ عنہ، شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ضرار بن ازور رضی اللہ تعالےٰ عنہ جانبازوں کی ایک جماعت سمیت تیروں کی بارش میں آگے بڑھے اور رومی لشکر کے سمندر میں غرق ہو گئے۔ ان لوگوں نے تیر اندازوں کے اندر گھس کر ایسا شدید حملہ کیا کہ لاشوں سے میدان پٹ گیا اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس دن جانبازی کے خوب جوہر دکھائے۔ ان کے ہاتھ میں اس دن نو تلواریں ٹوٹیں۔ جانبازوں کا یہ طوفانی دستہ رومی تیر اندازوں کو دھکیلتا ہوا ان کی قیام گاہ تک لے گیا۔ چالیس ہزار دشمن مارے گئے اور باقی ماندہ فوج کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس معرکے کے بعد رومیوں کو اجتماعی تیر اندازی کا حوصلہ نہ ہوا اور ان کا پلہ جھکتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ ان کو شکست مکمل ہو گئی ؎

مٹی کی ٹوکری

فاتح ایران سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جنگِ قادسیہ سے قبل جناب امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حکم سے شاہ ایران یزدگرد کے دربار میں ایک سفارت بھیجی تاکہ لڑائی سے قبل اس پر اتمام حجت ہو جائے اس وفد کے ممبر چند تجربہ کار جنگ آزما حضرات تھے۔ شاہ ایران نے اپنے ٹھاٹھ باٹھ اور درباری رکھ رکھاؤ سے ان لوگوں کو مرعوب کرنا چاہا مگر یہ حضرات نہایت بے تکلفی سے سپاہیانہ انداز میں بادشاہ تک پہنچے۔

گفتگو شروع ہوئی تو شاہِ ایران نے غرورِ شہنشاہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان حضرات کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کیا اور انہیں زمانۂ جاہلیت کا عربی انتشار یاد دلایا کہ تم ایک جاہل، وحشی اور احمق قوم ہو۔ تمہاری تعداد بھی کم ہے اور سامان جنگ بھی تمہارے پاس ناکافی ہے۔ حضرت قیس بن زرارہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے اسے جواب دیا کہ " واقعی اسلام سے قبل ہمارا وہی حال تھا جو آپ نے بیان کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے سے ہمیں ہدایت دی ۔ اب ہم مسلم ہیں اور پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وعدوں کے مطابق زمین اپنے خزانے ہمارے سامنے اگل رہی ہے ۔ ہم آپ کی سرزمین کو فتح کر کے رہیں گے ۔ آپ کے سامنے تین راستے کھلے ہیں ۔ اسلام ، جزیہ یا جنگ ۔"

اس برجستہ تقریر سے یزدگرد کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ سخت برافروختہ ہوا ۔ اس نے کہا ۔ اگر سفیروں کا قتل جائز ہوتا تو میں تم لوگوں کو یقیناً مروا ڈالتا ۔ پھر اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ ایک ٹوکری مٹی سے بھر لاؤ اور جو شخص اس وفد کا سردار ہے اس کے سر پر رکھ کر انہیں مدائن سے نکال دو ! شاہی حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور مٹی کی بھری ہوئی ٹوکری آ گئی ۔

بادشاہ غصّے سے دیوانہ ہو رہا تھا ۔ کہنے لگا کہ ہمارا سپہ سالار رستم تمہیں بہت جلد قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا ۔ وفد کے ایک ممبر نے جواب دیا کہ فتح و شکست اللہ کے قبضے میں ہے اور آگے بڑھ کر حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمر نے وہ ٹوکری اپنے کاندھے پر اٹھا لی ۔ اسی شان سے یہ حضرات شاہی دربار سے نکلے اور مٹی کی ٹوکری گھوڑے پر رکھ کر سپہ سالار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا پہنچے ۔ مٹی کی ٹوکری ان کی خدمت میں پیش کی اور کہا ملک ایران کی فتح مبارک ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ملک کی

مٹی ہمیں عطا کی ہے۔ انشاء اللہ ہم کامیاب ہوں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ وفد کے ایک ممبر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شاہ ایران سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ "آپ کا شکریہ اس قدر مٹی تو آپ نے خود دے دی ہے باقی ہم انشاء اللہ بزورِ شمشیر لے لیں گے

"تلوار کو نہیں" بازو کو دیکھو

جنگِ قادسیہ کے باقاعدہ شروع ہونے سے پہلے ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہلا بھیجا کہ اسلامی فوج کا کوئی سفیر بھیجئے، ممکن ہے ہم مصالحت پر آمادہ ہو جائیں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ربعی بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو رستم فرمایا۔ رستم نے اپنی شان و شوکت اور طمطراق کا پورا مظاہرہ کیا تھا۔

دور تک قالین بچھے تھے۔ ریشمی پردے اور مکلّف فرش آراستہ تھے۔ زرق برق لباس والے چاق و چوبند سپاہی صف بستہ کھڑے تھے۔ رستم سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے تکیوں اور شامیانوں کی جھالروں میں قیمتی موتی جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ بڑی بے پروائی سے اس سارے سامانِ تجمّل سے گزرے۔ اپنا گھوڑا ایک گاؤ تکیے سے باندھا اور پوری شانِ استغنا سے سیدھے رستم کے تخت پر اس کے برابر میں جا بیٹھے دربار

میں شور مچ گیا۔ چوبداروں نے حضرت ربعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نیچے اتارنا چاہا تو انہوں نے فرمایا۔ "میں تمہارا بلایا ہوا آیا ہوں، از خود نہیں آیا۔ اگر بات چیت کا ارادہ نہیں تو واپس جاتا ہوں۔ ہمارے مذہب میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور باقی لوگ بندوں کی طرح دست بستہ اس کے سامنے کھڑے ہوں۔"

رستم نے اپنے آدمیوں کو ربعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے الجھنے سے روکا اور باتوں باتوں میں ازراہِ مزاح کہا۔ "تمہاری تلوار کی نیام بوسیدہ ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔ "لیکن اس کے اندر شمشیرِ آبدار ہے۔" اور تلوار کو نیام سے کھینچ لیا۔ درباری بڑی حیرت سے ان کا منہ تک رہے تھے۔ انہوں نے مزید کہا "تم صرف تلوار کی نیام کو دیکھتے ہو۔ تلوار چلانے والے بازو کو دیکھو جس کی کاٹ بے زنہار ہے۔ اور جس کا وار کبھی خطا نہیں جاتا۔"

پھر رستم نے ان سے کہا۔ "تمہارے نیزے کا پھل بہت چھوٹا ہے یہ لڑائی میں کیا کام دیتا ہوگا۔؟" حضرت ربعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نیزہ تان کر فرمایا۔ "یہ پھل سیدھا دشمن کے سینے کو چھیدتا ہوا پار ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کبھی کہ آگ کی ایک چھوٹی سی چنگاری تمام شہر کو جلا ڈالنے کے لیے کافی ہوتی ہے؟"

ربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس گفتگو سے ایرانی امراء اور خود سپہ سالار رستم بہت متاثر ہوئے اور مزید مشورہ اور غور و فکر کی مہلت طلب کرکے انہیں رخصت کردیا گیا

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

جب اسلامی لشکر فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا شاہِ ایران کے پایۂ تخت مدائن
قریب پہنچا تو ایرانیوں نے دریائے دجلہ کا پل خود تباہ کر دیا۔ اسی اثنار میں شاہِ ایر
اپنے اہل وعیال اور خزانوں سمیت مدائن سے بھاگ کھڑا ہوا۔ لشکرِ اسلام
کے اس کنارے پڑا تھا اور دوسرے کنارے پر ایرانی فوج کے تیرانداز حملہ
لیے تیار تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عاصم بن عمرو رضی ال
تعالےٰ عنہ کو چھ سو تیراندازوں کی جماعت سمیت دریا کے کنارے ایک بلند مقا
بٹھا دیا۔ تاکہ دریا سے گزرتے وقت دشمن کے یک لخت حملے سے دفاع کیا جا
جب یہ انتظام درست ہو گیا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے

نَسۡتَعِیۡنُ بِاللّٰہِ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ وَ
لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ ط

پڑھتے ہوئے اپنا گھوڑا دریائے دجلہ میں ڈال دیا۔ اس مقام سے دریا پایاب ن
تھا، لیکن سپہ سالار کی تقلید میں سارا لشکر دریا میں اتر پڑا اور آپس میں گفتگ
کرتے نہایت بے نیازی اور بے پروائی سے دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کنا
جا پہنچا۔

وہ تو انہیں پہچانتا ہے

نہاوند کے معرکے میں امیرِ لشکر مشہور جلیل القدر صحابی نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔ انہوں نے عین میدان جنگ میں تین دعائیں مانگیں جو بارگاہِ خداوندی سے شرف قبولیت پا گئیں۔ انہوں نے کہا:" اے پروردگار! ہمیں صبر و استقامت عطا فرما۔ دشمنوں پر فتح دے اور مجھے شہادت کی نعمت سے سرفراز فرما!" چنانچہ وہ اس لڑائی میں شہید ہو گئے اور ان کی وصیت کے مطابق امیرِ لشکر حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ چنے گئے۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حسب دستور مال غنیمت کا پانچواں حصہ سائب بن اقرع کے ہاتھ دربارِ خلافت میں روانہ کیا۔ جناب عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس لڑائی کے نتیجے کی خبر کے لیے بڑے مضطرب تھے اور شہر سے باہر نکل کر قاصد کا انتظار کر رہے تھے۔ جب سائب رضی اللہ تعالےٰ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے اور فتح کی خوش خبری کے ساتھ ساتھ نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہچکی کے عالم میں رونے لگے۔ سائب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا:" اے امیرالمومنین! اس جنگ میں نعمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا مشہور شخص شہید نہیں ہوا جسے آپ پہچانتے ہوں!" سائب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے یہ الفاظ دراصل حضرت عمر

فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دلداری اور تسلّی کے لیے تھے لیکن جناب عمر رضی اللہ تعا
نے ان کے جواب میں فرمایا "جو خوش قسمت مومن رضائے الٰہی کے لیے شہید ہ
چکے ہیں اگر میں انہیں نہیں جانتا تو ان کا کیا نقصان، جس ذاتِ واحد نے انہی
شہادت سے نوازا ہے وہ تو انہیں پہچانتا ہے۔

جواہرات، پتھر کے ٹکڑے

جنگِ نہاوند میں بے شمار مالِ غنیمت اہلِ اسلام کے ہاتھ آیا تھا۔ فتح کے
بعد جب یہ مال مجاہدین میں تقسیم ہونے لگا تو اس مقام کے آتشکدے کا بسجار
ڈرتا کانپتا امیرِ لشکر حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگ
کہ اگر مجھے میرے خاندان سمیت امان دے دی جائے تو میں شاہ یزدگرد کے
ایک بڑے خزانے کی اطلاع آپ کو دوں گا۔

اس کی خواہش کے مطابق اسے امان دے دی گئی تو اس نے آتشکد
میں ایک خفیہ خزانے کا سراغ دیا۔ اس خزانے میں ہیرے جواہرات سے بھرا
ایک سر بمہر صندوقچہ تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے ساتھ
کے مشورے سے یہ صندوقچہ دربارِ خلافت میں پہنچا دیا۔ قاصد نے جب یہ صندو
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے فرمایا
" ان پتھر کے ٹکڑوں کی میری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں، نہ میں انہیں بیت الما

یں رکھنا چاہتا ہوں، ان کے حقدار وہ مجاہد ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں لڑا دیں۔ یہ صندوقچہ واپس حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس لے جاؤ اور انہیں کہنا کہ ان جواہرات کو فروخت کر کے ان کی قیمت کو لشکرِ اسلام میں تقسیم کر دیں۔" چنانچہ یہ جواہرات کوفہ کے بازار میں فروخت کیے گئے اور ان کی قیمت فی لشکری چار ہزار درہم کے حساب سے مجاہدین میں بانٹ دی گئی۔

لشکرِ اسلام کے قیمتی سرمائے

جن دنوں حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا، ایک دن اسلامی لشکر نے دیکھا کہ اہلِ دمشق شہر پناہ پر خوشی سے ناچ رہے ہیں۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ ان کی کمک کے لیے ایک بڑا لشکر چلا آ رہا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ ضرار بن ازور رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ماتحتی میں روانہ فرمایا تاکہ آنے والے لشکر کو روکا جائے۔

ضرار بن ازور رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ رومیوں کا ٹڈی دل لشکر پہاڑ کی گھاٹیوں سے اتر رہا ہے۔ انہوں نے اپنے سواروں کو رومی لشکر کے راستے میں چھپا دیا۔ جب رومی لشکر زد پر آ گیا تو ان لوگوں نے کمین گاہ سے نکل کر نہایت شدید حملہ کیا۔ بے شمار رومی مارے گئے لیکن حضرت ضرار بن ازور

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لڑائی میں زخمی ہوئے اور دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ڈال کر انہیں گرفتار کر لیا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو میسرہ بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ کو اپنی جگہ متعین کر کے لشکر سمیت اس نئے آنے والے لشکر کی طرف بڑھے۔ راستے میں انہوں نے ایک شخص کو نقاب پہنے، نیزہ تانے، ایک بلند قامت گھوڑے پر سوار جاتے دیکھا، لوگوں سے دریافت کرنے پر بھی اس سوار کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

جب میدان جنگ میں پہنچے تو پھر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سوار کو نہایت مستعدی اور پھرتی سے تابڑ توڑ حملے کرتے دیکھا، وہ خون میں نہایا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی بہادری پر حیران تھے۔ بعض لوگ اس سوار پر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گمان کرتے تھے، کیونکہ اس کا طریق جنگ بالکل سیف اللہ سے ملتا جلتا تھا۔

جب لڑائی کا زور ذرا تھما تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے اصرار سے اس جوان سے اس کا نام و مقام دریافت کیا۔ پہلے تو وہ سوار خاموش رہا لیکن جب لوگوں نے کہا کہ" امیر لشکر تم سے تمہارا نام و مقام پوچھتے ہیں، تم بولتے کیوں نہیں؟" سوار نے سر جھکا لیا اور جواب دیا: "میں ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن خولہ بنت ازور ہوں، جب مجھے بھائی کی گرفتاری

کا علم ہوا تو ہیں برداشت نہ کر سکی اور انہیں رہا کرانے کا عزم لے کر میدان میں اتر آئی"! حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خولہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو یقین دلایا کہ "ضرار رضی اللہ تعالےٰ عنہ لشکرِ اسلام کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ہم انہیں چھڑائے بغیر دم نہ لیں گے، تم واپس اپنے خیمے میں چلو"!

چنانچہ کافی جدّوجہد کے بعد حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دشمن کی قید سے صحیح سلامت رہا کرا لیا گیا اور ان کی رہائی کی خبر سے اسلامی لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

مسلم خواتین کی شجاعت و غیرت

دمشق کی مہم کے زمانے میں ایک رومی سردار پطرس نے دھوکے سے چند مسلم خواتین کو گرفتار کر لیا اور انہیں ساتھ لے کر اسنریاق نامی نہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ گرفتار ہونے والی خواتین میں خولہ بنت ازور رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی تھیں اس خبر سے لشکرِ اسلام میں کھلبلی مچ گئی اور فوراً سپہ سالارِ افواج خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ دو ہزار مجاہدین کو لے کر نہر اسنریاق کی طرف بھاگے۔

ادھر رومیوں نے نہر پر پہنچ کر کچھ دیر سستانے کے ارادے سے اپنا لشکر ٹھہرایا اور مسلم عورتوں کے سامنے یہ پیش کش کی کہ تم ہماری زوجیّت میں آ جاؤ، تو مال و دولت، زیور، کپڑے اور دنیوی شان و شوکت و وجاہت تمہارے قدم

چومیں گی۔ حضرت خولہ بنت ازور رضی اللہ تعالےٰ عنہا جو نہایت شکیل وجمیل تھیں، انہیں پطرس نے اپنے لیے چنا اور ترغیب وتحریص کے ہتھیار آزمانے لگا۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے پطرس کی تقریر کے جواب میں فرمایا :

" اگر میں تجھ پر غلبہ پاؤں تو اس چوب سے تیرا سر پھوڑ دوں گی۔ میں تو تجھے اپنی بکریوں کا چرواہا بنانے کے لیے بھی راضی نہیں " اس کے بعد حضرت خولہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سب عورتوں کو غیرت دلائی :

" اگر تمہارے پاس اور کچھ نہیں تو اس خیمے کی چوبیں تو ہیں۔ انہیں نکال کر ان نصرانی کتوں کے سر پھوڑ دو اور اپنی قومی حمیّت، عصمت اور وقار پر حرف نہ آنے دو!" چنانچہ عورتوں نے ایسا ہی کیا اور خیموں کے بانسوں سے تیس رومی جوانوں کو مار ڈالا۔ اتنے میں خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تکبیر سے فضا گونج اٹھی اور انہوں نے آتے ہی دشمن کے سپاہیوں کو نیزوں اور تلواروں کی زد پر رکھ لیا۔ ان میں سے بہت سوں کو قتل کیا اور باقی سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

آؤ مرنے کے لیے چلیں

جنگِ یرموک میں سپہ سالارِ لشکرِ اسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس حیرت انگیز طریقے سے فوجوں کو مرتّب کیا۔ وہ ان کی جنگی مہارت اور اعلیٰ درجے کی قائدانہ صلاحیتوں کی کھلی دلیل ہے۔ انہوں نے لشکر کے چالیس دستے بنائے۔ ہر دستے میں تقریباً ایک ہزار جوان تھے۔ ان دستوں کو اپنی اپنی باری پر اپنے قائدین کے حکم سے میدان میں اترنا تھا۔

دائیں بازو کے دستوں پر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شرجیل بن حسنہ، بائیں بازو پر یزید بن ابی سفیان، قلب میں ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے "طوفانی دستے" پر خود خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعیّن ہوئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لشکر کا قاضی اور ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نقیب ٹھہرایا گیا۔

نقیب کی ڈیوٹی یہ تھی کہ میدانِ جنگ میں کھڑا ہو کر صفوں کے سامنے مجاہدین کو جوش دلائے۔ اور جنگ پر ابھارے۔ ابو سفیان باری باری ہر دستے کے سامنے جاتے اور پرجوش اور دلنشیں انداز میں کہتے : اللہ اللہ! اے مجاہدو! تم عرب کے نوجوان اور اسلام کے مددگار ہو، لیکن تمہارے دشمن روم کے نوجوان اور شرک کے مددگار ہیں۔ اے اللہ! آج کا دن ایک یادگار دن ہے۔ تو اپنے بندوں کی مدد

فرمایا! "جنگ شروع ہوئی تو کفّار نے اسلامی لشکر پر ایک نہایت شدید حملہ کیا۔ بعض لوگ پیچھے ہٹنے لگے اور صفوں میں انتشار کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس حصّہ لشکر کے امیر عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی جہل اور ان کے چچا حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"میں نے اسلام لانے سے پہلے ہر موقع پر سرورِ کائنات محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقابلہ کیا تھا، آج اس کی تلافی کا دن ہے۔ کیا کافروں کے مقابلے میں آج میرا پاؤں پیچھے ہٹ سکتا ہے؟" پھر باآوازِ بلند اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: "آؤ مرنے کو چلیں، تم میں سے کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرتا ہے؟" فی الفور چار سو جوان آگے بڑھے، ان میں حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ضرار بن ازور رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بہادر بھی شامل تھے۔ انہوں نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور میدان میں کود گئے۔ یہ لوگ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے کے سامنے جان توڑ کر لڑے اور جانثاری کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

لڑائی کے ختم ہونے پر حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھا کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا۔ دونوں زخموں سے چور اور جاں بلب تھے۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آبدیدہ ہو کر دونوں کے سر گود میں رکھے اور نہایت شفقت سے ان کے منہ میں پانی ٹپکایا۔

اسی حالت میں یہ دونوں شہید ہو گئے۔

اگر آج بزدلی دکھائی تو ہمارا منہ نہ دیکھنا

معرکۂ یرموک میں اسلامی فوج کا ایک حصہ رومیوں کے شدید حملوں کی تاب نہ لاکر کچھ پیچھے ہٹ گیا تو مسلم خواتین جو زخمیوں کی تیمار داری کے لیے ایک طرف خیموں میں تھیں باہر نکل آئیں اور اسلامی لشکر کی صفوں کے پیچھے آکھڑی ہوئیں انہوں نے چلا چلا کر کہنا شروع کیا:

"اگر میدان سے قدم پیچھے ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا!"

ان عورتوں کے ہاتھوں میں پتھر تھے کہ اگر کوئی بھاگنے کی کوشش کرے اس کے منہ پر یہ پتھر مار دیں اور وہ دوبارہ لشکر میں شامل ہو کر لڑنے پر مجبور ہو جائے ان کی آوازیں سن کر مسلمانوں میں پہلے سے زیادہ جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے اس زور کا حملہ کیا جس کے سامنے رومی ٹھہر نہ سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا اور اسلامی لشکر فتح یاب ہو گیا۔

سرداری کا معیار

جناب حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما ایک دفعہ بچپن کے زمانے میں اپنے جدّ امجد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھے تھے۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کبھی مجمع کی طرف اور کبھی حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف دیکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ اسی حال میں حضور علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

"میرا یہ بیٹا سیّد (سردار) ہے اور عنقریب اللہ تعالےٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں مصالحت کراتے گا" نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ پیش گوئی ربیع الاوّل ۴۱ھ میں حرف بحرف پوری ہوئی جب کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے بعد جناب حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اہلِ کوفہ کی بے وفائی سے متاثّر ہو کر اہلِ اسلام کی خیر خواہی کے پیشِ نظر امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں خلافت و حکومت سے دستبرداری اختیار کر لی۔

دست برداری سے چند دن پہلے انہوں نے ساباط مدائن کے مقام پر اہلِ کوفہ کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا: "لوگو! تم نے میرے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کی ہے کہ صلح و جنگ میں میرے پیچھے چلو گے میں

خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی سے بغض و عداوت نہیں مشرق سے مغرب تک کوئی شخص بھی مجھے ایسا نظر نہیں آتا، جس کی طرف سے میرے دل میں کوئی رنج و ملال اور نفرت وکراہت ہو۔ میں ہر حال میں اتفاق و اتحاد محبّت و سلامتی اور صلح و اصلاح کو نااتفاقی اور دشمنی سے بہتر سمجھتا ہوں"

اسلامی تاریخ میں حضرت حسن رضی اللہ تعالٰے عنہ کا یہ کارنامہ سنہری حروف سے لکھا گیا ہے اور جس سال یہ واقعہ پیش آیا تھا اسے "عام الجماعۃ" (اتحاد و اتفاق کا سال) کہا جاتا ہے۔ سرداری کا یہ معیار کس قدر بلند اور حیرت انگیز ہے!

اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی!

حکومت کا چسکا اور غلبہ حاصل کرنے کا شوق ایسی چیزیں ہیں جن کے لیے انسانی تاریخ میں بے مقدار خون بہایا جا چکا ہے۔ لیکن قائم شدہ جائز حکومت کو کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے تج دینا اور ذاتیات سے بلند ہو کر اجتماعی مفاد کے لیے قربانی کرنا انسانی کردار کی مسلّمہ عظمتیں ہیں۔

جو خال خال افراد کو نصیب ہوتی ہے۔ جناب حسن رضی اللہ تعالٰے عنہ کی کمان میں چالیس ہزار کا لشکرِ جرار موجود تھا۔ اگر وہ چاہتے تو چشم زدن میں میدانِ حرب و ضرب گرم کر سکتے تھے۔ خود ان کی اپنی شجاعت اور فنِ سپہ گری

میں مہارت بھی مسلّم تھی، لیکن انہوں نے دو لڑنے والے گروہوں کو ملانے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا جو عظیم کام صلح و صفائی کے ذریعے سر انجام دیا اس پر دنیا بھر کے بہادروں اور شمشیر زنوں کی شجاعتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔

ایثار و قربانی اور بے نفسی کی اس سے بہتر مثال مشکل سے ہی پیش کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا خلوص اس خطبے کے الفاظ میں جھلکتا ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح اور خلافت سے دست برداری کے بعد انہوں نے دیا فرماتے ہیں:

"اے اہلِ اسلام! مجھے فتنہ و فساد سخت ناپسند ہے اپنے جدّ بزرگوار صلّی اللہ علیہ وسلّم کی امّت سے فتنہ و فساد کو دور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال کو محفوظ رکھنے کے لیے میں نے معاویہ رضی اللہ تعالےٰ سے صلح کر لی ہے اور انہیں امیر و خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ اگر امارت و خلافت ان کا حق تھا تو انہیں مل گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے اپنا حق انہیں بخش دیا۔"

دست برداری کے بعد کچھ لوگوں نے انہیں عار المسلمین (مسلمانوں کے لیے عار کا باعث) جیسے برے نام سے پکارا تو آپ نے فرمایا کہ عار (شرمندگی) نار (دوزخ) سے بہتر ہے۔ ایک کوئی آپ سے ملنے آیا تو کہنے لگا: "اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے! تجھ پر سلام ہو" آپ نے جواب میں

فرمایا: "میں اہل اسلام کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ مجھے یہ بات اچھی معلوم نہ ہوئی کہ ملک وحکومت کے لیے تمہیں قتل کرا دوں۔"

میزبانِ رسول کی عجیب وصیّت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں قیصر روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر بڑے اہتمام وانتظام کے ساتھ بری اور بحری دونوں راستوں سے پہلا حملہ کیا۔ فوج کی سپہ سالاری سفیان بن عوف ازدی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد تھی اور یزید بن معاویہ بھی ایک حصۂ فوج کا کماندار تھا۔

اہل اسلام میں چونکہ عام طور مشہور تھا کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا لشکر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعاؤں کا مستحق ہو چکا ہے" لہٰذا" تاریخ اسلام کی بعض نہایت محترم اور اہم شخصیتیں مثلاً عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میزبانِ رسول ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ، سیدنا حسین بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ وغیرہم بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ قسطنطنیہ کو فتح نہ ہو سکا لیکن اس مہم نے نہ صرف بحری جنگوں کا راستہ کھول دیا بلکہ اہل اسلام کے

کے دل میں فتح قسطنطنیہ کی تمنّا کی ایک مستقل روشن شمع جلا دی اور سلطنتِ عثمانیہ کے بطلِ جلیل سلطان محمدؒ فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران میں میزبانِ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔

یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دریافت کیا کہ اگر کوئی وصیّت ہو تو ارشاد فرمائیے، انہوں نے فرمایا: "میری وصیّت یہ ہے کہ جب میں وفات پا جاؤں تو میری لاش کو جہاں تک ہو سکے دشمن کی سرزمین کے اندر لے جاکر دفن کرنا!" چنانچہ حضرت ابو ایّوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وصیّت کے مطابق ان کے جسم کو فوجی کرّوفر کے ساتھ قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار تک لے جایا گیا اور قبر کھود کر انہیں وہاں سپردِ خاک کر دیا گیا دفن کر چکنے کے بعد بآوازِ بلند اہلِ روم سے کہا گیا کہ:

"اے روم والو! ہم نے یہاں اپنے رسولِ پاک کے میزبان اور عظیم الشان ساتھی کو دفن کیا ہے بخدا اگر تم نے ان کی قبر یا جسم کی بے حرمتی کی تو اس کے بدلے میں سلطنتِ اسلامی کی حدود میں تمام گرجوں کو پیوندِ خاک کر دیا جائے گا اور کبھی ہماری حدود میں ناقوس نہیں بج سکے گا۔" ترکانِ عثمانی کے دورِ خلافت میں جب قسطنطنیہ فتح ہوا تو حضرت ابو ایّوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مزار کو ازسرِنو

کرایا گیا اور اس کے قریب ایک مسجد بنوائی گئی۔ عثمانی خلفاء کی رسمِ تاجپوشی
اسی مسجد میں ادا ہوتی تھی۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی
قبر آج تک زیارت گاہِ خلائق ہے۔

موت منظور ہے ذلّت گوارا نہیں:

میدانِ کربلا میں کوفہ کے یزیدی گورنر ابن زیاد کی طرف سے جناب
امام حسین ابن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا معاہدہ نپٹانے کے لیے عمرو بن سعد
چار ہزار کا لشکر لیے پڑا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ کے تقدس
و بزرگی کے پیشِ نظر اس کی کوشش شروع میں یہ تھی کہ
کسی طرح یہ معاملہ جنگ و جدال کے بغیر طے ہو جائے۔ اس نے جناب
امام حسین رضی اللہ عنہ سے مل کر گفتگو کے ذریعے سے کوئی فیصلہ کرنے کی
ٹھانی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف سے یہ تین باتیں پیش
کی گئیں کہ ان میں سے کسی ایک کو مان لیا جائے تو لڑائی تک نوبت
نہیں آئے گی

(۱) انہوں نے فرمایا پہلی بات یہ ہے کہ اہلِ کوفہ نے مجھے بلایا تھا
اب جب کہ وہ مجھ سے منحرف ہو گئے ہیں تو مجھے مکّہ معظمہ واپس جانے
دیا جائے۔ تاکہ وہاں پہنچ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو جاؤں۔

(ii) اگر پہلی بات منظور نہیں تو مجھے کسی سرحدی مقام کی طرف نکل جانے دو، تاکہ کفّار کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔
(iii) اگر دوسری بات بھی ناقابلِ قبول ہے تو تم لوگ میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے سیدھا یزید کے پاس دمشق جانے دو۔ اگر تم چاہو تو اپنے اطمینان کی غرض سے میرے پیچھے پیچھے آ سکتے ہو۔ میں یزید سے براہِ راست اپنا معاملہ خود طے کر لوں گا۔

ابنِ سعد اس گفتگو سے بہت خوش ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ ان معقول شرائط میں سے کوئی نہ کوئی ضرور مان لی جائے گی اور اس کے ہاتھ خونِ حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نہ رنگے جائیں گے۔ اس نے یہ تینوں باتیں ابنِ زیاد کو کوفہ میں پہنچا دیں۔ ابنِ زیاد نے یہ باتیں سن کر کہا کہ جناب حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وہ بات پیش کی ہے جس سے فتنے کا دروازہ بند ہو جائے گا، لیکن شمر ذی الجوشن نے ابن زیاد کو ان میں سے کسی بات کو بھی نہ ماننے پر اکسایا اور اپنی رائے پر اصرار کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر جناب حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ خود یزید سے جا کر ملے تو عین ممکن ہے کہ دونوں میں اتفاقِ رائے ہو جائے اور ان کی عزت و منزلت یزید کے ہاں دوسرے سب لوگوں سے زیادہ

ہو جائے۔ اس پر ابنِ زیاد نے کربلا میں ابنِ سعد کو لکھا کہ ہمیں یہ تینوں باتیں منظور نہیں۔ صرف ایک صورت ہو سکتی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ پہلے میرے ہاتھ پر یزید کے لیے بیعت کریں، پھر میں انہیں اپنے زیرِ اہتمام یزید کی طرف روانہ کر دوں گا۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب ابن زیاد کا یہ پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا۔" ابنِ زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لیے بیعت کرنے سے تو مرجانا بہتر ہے۔"

میں نے حُجّت تمام کر دی ہے

جب جناب حسین ابن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یقین ہو گیا کہ کوفی فوج دو چیزوں میں سے ایک کی طالب ہے، یزید کی غیر مشروط بیعت یا حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سر، تو انہوں نے دس محرم ۶۱ھ کو اپنے ساتھیوں کو مناسب مقامات پر متعیّن فرما کر اور ضروری ہدایات دے کر کوفی لشکر کے سامنے اونٹ پر سوار ہو کر یہ تقریر فرمائی:

" اے اہلِ کوفہ! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تقریر نتیجہ خیز نہیں ہوگی اور تم اپنے ارادوں سے باز نہیں آؤ گے، لیکن میں مناسب

سمجھتا ہوں کہ اللہ کی حجت تمام ہوجائے اور میرا عذر بھی واضح ہو جائے۔ اے
لوگو! جو شخص تم میں سے مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے جو نہیں جانتا وہ
اب اچھی طرح جان لے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ
اور علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیٹا ہوں۔

میری والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور میرے چچا حضرت جعفر طیار
رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔ میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، نہ کبھی نماز
چھوڑی اور نہ کسی مومن کو قتل کیا یا تکلیف پہنچائی۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام
کا گدھا بھی دنیا میں موجود ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک اس کی
پرورش و نگہداشت میں مصروف رہتے۔ تم کیسے مسلمان اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے امتی ہو، جو مجھے ناحق قتل کرنا چاہتے ہو تمہیں
نہ خدا کا خوف ہے نہ رسول کی شرم۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا جس
کے قصاص میں میرا قتل ضروری ہو۔ بتاؤ تم نے کس دلیل سے میرا خون
حلال سمجھ لیا ہے۔

میں مدینے میں خاموشی سے رسول اللہ کے قدموں میں پڑا تھا کہ
تم نے مسلسل خط لکھ کر اور وفد بھیج کر مجھے یہاں بلوایا۔ اب جب کہ میں
تمہاری دعوت پر یہاں آگیا ہوں تو تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے ہو۔ اگر
تم اپنے وعدوں سے پھر گئے ہو تو کم از کم میرے خون سے ہاتھ نہ رنگو

اور مجھے یہاں سے چلا جانے دو۔"

اس تقریر پر کوئی لشکر پر سناٹا چھا گیا اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جناب حسین رضی اللہ تعالٰے عنہ نے آخر میں فرمایا۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم پر حجّت پوری کر دی اور تم کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔"

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسُوز

مسلم فاتحین میں عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ یہی وہ شخص ہیں جنہیں افریقہ کے بیشتر مقامات کی فتح اور مشہور شہر قیروان کا بانی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ افریقہ کی آبادی بغاوتوں اور بار بار عہد شکنی میں مشہور ہو چکی تھی۔

سنہ ۶۲ھ میں باغی عناصر نے جمع ہو کر پھر بغاوت کر دینے کا مشورہ کیا تو اس زمانے میں عقبہ بن نافع رضی اللہ تعالٰے عنہ افریقہ کی گورنری چھوڑ کر واپس شام جا چکے تھے، لیکن ان کے بعد ابوالمہاجر کامیاب گورنر ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کو دوبارہ افریقہ کی شورش مٹانے پر مامور کیا گیا۔ عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے قسم کھا لی تھی کہ جب تک شہادت کی موت حاصل نہ ہو جائے۔ اہلِ افریقہ سے برابر لڑتے رہیں گے۔

افریقہ پہنچ کر سب سے پہلے انہوں نے بربریوں اور رومیوں کی متحدہ طاقت کو باغہ کے مقام پر شکستِ فاش دی، پھر لیبس فزان، ودان، قفصہ اور قسطلیہ کو فتح کیا اس کے بعد وہ زاب کے علاقہ میں گھس گئے اور اربہ اور تاہرت نامی مقامات پر دشمن کو عظیم شکستیں دیں پھر شبتہ کو فتح کیا اور آخر میں بحرِ روم کے کنارے شمالی افریقہ کے آخری شہر طنجہ پر قبضہ کر لیا۔

یہاں سے وہ سوس ادنیٰ کی طرف بڑھے اور لیلی اور نفیس نامی مقامات پر قبضہ کرتے ہوئے سوس اقصیٰ تک جا پہنچے۔ یہاں ایک نہایت خوں ریز معرکے میں بربری فوجوں کو شکست فاش دے کر درعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ بحر اطلانتک جسے دوسرے لفظوں میں بحرِ محیط یا بحرِ ظلمات کہا جاتا تھا کے ساحل تک بڑھتے چلے گئے۔

سمندر پر نظر پڑتے ہی خدا کے حضور میں عرض کیا کہ:

"خدایا! اگر یہ سمندر درمیان میں حائل نہ ہو جاتا، تو جہاں تک تیری زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔" پھر اپنے گھوڑے کو پانی میں اتار کر کہا: خدایا! تو خوب جانتا ہے کہ میں وہی چاہتا ہوں جو تیرا دوست ذوالقرنین چاہتا تھا کہ تیرے سوا کسی اور کی

پوجا نہ کی جائے۔"

گھوڑے کا چشمہ

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اپنی افریقی مہمات کے سلسلے میں ایک لق و دق صحرا میں سے گزر رہے تھے۔ سفر بہت طویل تھا اور راستہ مفقود۔ پھرتے پھراتے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں لشکر کے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ دور دور تک پانی یا آبادی کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ پانی کی تلاش میں آدمی ادھر ادھر دوڑائے گئے لیکن بے سود انسانی جانوں اور سواریوں کی ہلاکت کا اندیشہ صاف نظر آ رہا تھا فوج سخت پریشان تھی اور بے چینی کے عالم میں کچھ سوجھتا نہ تھا۔ امیر لشکر عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ نے دو رکعت نماز پڑھ کر ایک طویل دعا کی۔

خدا کی شان دیکھو کہ اسی وقت عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھوڑے نے اپنے سم سے زمین کو کریدنا شروع کیا۔ جب تھوڑی سی ریت ہٹ گئی تو ایک بڑا پتھر دکھائی دیا۔ عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اس پتھر کو ہٹایا گیا تو اس کے نیچے سے ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک چشمہ نکل آیا۔ عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے خوشی کے عالم میں اپنے

لشکریوں کو پکارا، اہلِ لشکر نے اس چشمے سے چھوٹی چھوٹی نالیاں مختلف سمتوں میں نکالیں اور پانی کا ذخیرہ مشکوں اور برتنوں میں جمع کر لیا گیا۔ اس تائیدِ غیبی سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور اس مقام پر معمول سے زیادہ قیام کیا۔

اس چشمے کے ساتھ جو واقعہ وابستہ ہے اسی کی وجہ سے اس مقام کا نام "ماء الفرس" (گھوڑے کا چشمہ) مشہور ہو گیا۔

دینداری اور صلاحیت کی ایک مثال

حکومت حاصل کرنے اور مسندِ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے خلقِ خدا کو خون میں نہلا دینے والوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔ تاریخ ایسے لوگوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے، لیکن کچھ واقعات تاریخ میں ایسے بھی ہیں جن سے انسانی فطرت کے کچھ دوسرے اوصاف پر روشنی پڑتی ہے۔

یزید کی موت کے بعد ۶۴ھ میں اس کا نوجوان بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ وہ بڑا دیندار اور نیکوکار شخص تھا۔ اس کے باپ یزید کے زمانے میں واقعات اور دلخراش حادثے پیش آ چکے تھے، انہیں دیکھ کر

معاویہ کا دل حکومت و سلطنت سے متنفّر ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ تقریباً تین ماہ کے بعد حکومت سے دست بردار ہو گیا اور لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"مجھ میں حکومت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں، لیکن افسوس کہ مجھے کوئی ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نظر نہ آیا جسے یہ حکومت کی ذمّہ داری سونپ دیتا۔ پھر میرا یہ خیال ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مانند چھ آدمی چن کر ان میں سے کسی کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں لیکن ویسے چھ آدمی بھی نہ مل سکے۔ اس لیے میں حکومت و خلافت کے منصب سے دست بردار ہوتا ہوں۔ تم لوگ جسے چاہو اپنا حاکم مقرّر کر لو!"

حکومت سے دست برداری کے بعد وہ خانہ نشین ہو گیا اور چند ماہ کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ حکومت و سلطنت کی عظیم ذمّہ داری کے احساس کے علاوہ حاکم کے انتخاب کے بارے میں اس کے جو صالح نظریات تھے وہ اس تقریر سے واضح ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دست برداری کے بعد یہ اس قسم کی دوسری مثال تھی۔

شریفوں اور دینداروں کا شیوہ

۷۱ھ میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے مشہور ظالم و سفاک حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک بڑی فوج کے ساتھ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عین حرم مکہ میں محصور کر لیا اور ہر طرف سے محاصرہ تنگ کر کے " سامانِ رسد" کی آمد بالکل بند کر دی۔ مکے میں قحط پڑ گیا اور گھرے ہوئے لوگ گھوڑے تک ذبح کر کے کھانے پر مجبور ہو گئے۔

ان حالات سے گھبرا کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہزاروں آدمی حجاج کے پاس پناہ لینے کے لیے مکے سے نکل بھاگے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ لیکن حالات یہاں تک شدید ہو گئے کہ ان کے بعض خاص ساتھی بلکہ لڑکے تک ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ عبدالملک چاہتا تھا کہ اگر ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جھک جائیں تو ان سے رعایت کی جائے۔

حالات کی یہ خرابی دیکھ کر ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی والدہ اسمار رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالےٰ عنہا جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

کی صاحبزادی اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی بہن تھیں۔

ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کی خدمت میں عرض کیا:

"امّاں جان! میرے ساتھی ایک ایک کر کے مجھ سے الگ ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ دو لڑکے بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ چند وفادار جاں نثار جو باقی ہیں، ان میں بھی اب مقابلے کی ہمّت نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے ساتھ رعایت کرنے پر آمادہ ہے۔ فرمائیے ایسی حالت میں آپ کا ارشاد کیا ہے"

اس سوال کا جو جواب حضرت اسمار رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے دیا، اس پر عورتوں کی تاریخ کو ہمیشہ فخر و ناز کا حق پہنچتا ہے، انہوں نے فرمایا: "بیٹا! تمہیں اپنی حالت کا اندازہ خود ہو گا، اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لیے لڑو۔ لڑنا ہرگز موقوف نہ کرو۔ کیونکہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اسی حق کی خاطر جان دے دی ہے اور اگر تم دنیا پرستی کے لیے لڑ رہے تھے تو تم سے زیادہ بُرا کون خدا کا بندہ ہو سکتا ہے کہ اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور ساتھیوں کو بھی ہلاک کرا دیا۔

اگر اب یہ عذر پیدا ہو گیا ہے کہ لڑتے تو حق کے لیے تھے، لیکن مددگاروں نے ساتھ چھوڑ دیا تو مجبور ہو گئے تو یاد رکھو شریفوں اور

دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ مصائب سے گھبرا کر دشمنوں سے امان حاصل کرلیں۔ آخر تمہیں کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ موت تو ایک دن آنے ہی والی ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔"

بہادر ماں کا یہ جواب سن کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: " اماں! مجھے یہ خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد دشمن میری لاش کو بگاڑ کر سولی پر لٹکا دیں گے۔" حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: " ذبح ہو جانے کے بعد بکرے کو کھال اتارنے سے تکلیف نہیں ہوتی، جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔ میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام لوں گی۔ اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تو صبر کروں گی۔"

یہ کہہ کر بیٹے کو دعائیں دیں اور گلے لگا کر رخصت کیا۔ رخصت کے وقت پھر فرمایا: "بسم اللہ! جاؤ اپنا کام پورا کرو!"

ایک نرالا شہسوار

بہادر ماں سے آخری بار رخصت ہو کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے پاس آئے۔ وہ اپنی زرہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے پر پہلے ہی اتار کر پھینک چکے تھے۔ اب انہوں نے قمیص کے دامن اٹھا کر کمر سے باندھ لیے۔ آستینیں چڑھا لیں اور شہادت سے پہلے آخری تقریر یوں کی:

"اے آل زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تلواروں کی جھنکار سے خوف زدہ مت ہو۔ کیونکہ زخم میں دوا لگانے کی تکلیف اصل زخم سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ تم میں سے ہر شخص اپنے مدِ مقابل پر حملہ آور ہو۔ حالتِ جنگ میں مجھے نہ تلاش کرنا۔ اگر مجھے دیکھنا ہی چاہو تو سب سے آگے دشمنوں سے لڑتا ہوا ملوں گا۔"

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جرأت و شجاعت اور جنگی مہارت کی وجہ سے "قریش" شکرہ کہلاتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۲ برس تھی لیکن جس طرف کا رخ کرتے اگلی صفوں کو زیر و زبر کرتے ہوئے پچھلی صفوں تک جا پہنچتے اور پھر اسی طرح واپس آتے۔ ان کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ حجاج کا لشکر ایک سمندر کی مانند تھا جس میں کئی مرتبہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ تیروں اور کشتوں کے پشتے لگاتے واپس آئے۔ مخالف لشکر کے تیر اندازوں نے اس اکیلے شیر کے جسم کو چھلنی کر دیا اور آخر کار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید کر دیے گئے۔ حجّاج نے ان کا سر عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور باقی جسم کو حجون کے مقام پر سولی پر لٹکا دیا۔

کئی دن کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ تعالےٰ عنہا اس طرف تشریف لائیں اور لاش کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا:

"کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اس شہسوار کو سواری سے اتارا جائے؟"

عبدالملک بن مروان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے حجّاج کو لکھا کہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی لاش ان کی والدہ کو دے دی جائے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے بیٹے کی شہادت پر جس حیرت انگیز صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا۔ وہ دنیا کی کم عورتوں کو نصیب ہوتا ہے وہ اس وقت بہت ضعیف تھیں اور بینائی بھی جاتی رہی تھی، لیکن اس بوڑھے جسم میں سے ایمان کا جوش و خروش پھوٹا پڑتا تھا۔

کیا تم موت سے بھاگنا چاہتے ہو؟

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں سیستان کا غیر مسلم ترک حاکم باغی ہو گیا تھا اور اس نے اسلامی حکومت کو خراج دینے سے انکار کر دیا تھا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراسان کے گورنر اُمیّہ بن عبداللہ کو اس ترک حاکم رتبیل کی تادیب کا حکم دیا۔

امیّہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ایک لشکر دے کر اس مہم پر مامور کیا۔ رتبیل اطاعت قبول کرنے پر تیار تھا لیکن عبداللہ نے محض جوش جوانی اور ناتجربہ کاری کی بنا پر اس کی درخواست کو قبول نہ کیا اور دور تک اس کے علاقے میں بڑھتا چلا گیا۔ یہ علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار تھا۔ رتبیل نے عبداللہ کی ناکہ بندی کر لی اور پرپیچ پہاڑی راستوں میں پھنسا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ کو آئندہ کبھی حملہ نہ کرنے کا تحریری وعدہ کر کے گلو خلاصی کرانا پڑی۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کچھ مدّت تک رتبیل خاموش رہا، لیکن پھر اس نے سرکشی اور چھیڑ چھاڑ کا رویّہ اختیار کر لیا۔ عبدالملک کے دَورِ حکومت میں عبیداللہ ابن ابی بکرہ کو اس مہم پہ مامور کیا گیا، لیکن اس شخص نے بھی وہی غلطی کی جو اس

کے پیشرو عبداللہ سے سرزد ہو چکی تھی، وہ سیستان میں پہنچا اور رتبیل کے علاقہ میں گھس کر کئی علاقوں کو مسمار کرنے اور کافی علاقہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اس پہاڑی علاقے میں پیشقدمی کرتا ہوا دور تک چلا گیا۔ رتبیل خاموش رہا اور جب دیکھا کہ عبداللہ کافی دور تک سیستان میں گھس آیا ہے تو ناکہ بندی کر کے واپسی کا راستہ بند کر دیا۔

حالات بڑے نازک تھے۔ امیر فوج نے رتبیل کی اس شرط پر رہائی حاصل کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ فی کس ایک معقول رقم بطور تاوان جنگ ادا کی جائے اور عبیداللہ کے بدلے میں سات لاکھ درہم ادا کیے جائیں۔ ایک پرجوش مجاہد شریح بن ہانی اس پر بہت سیخ پا ہوئے انہیں کسی طور یہ ننگ گوارا نہ تھا، لہٰذا انہوں نے کہا کہ اگر تم نے یہ شرط منظور کر لی تو اس علاقے میں اسلام ہمیشہ کے لیے کمزور ہو جائے گا۔

"کیا تم موت سے ڈر کر بھاگنا چاہتے ہو، حالانکہ اس کا ایک نہ ایک دن آنا یقینی ہے۔" یہ کہہ کر شریح نے ایک جانباز دستے کو ساتھ لیا اور مردانہ وار لڑ کر جان دے دی، لیکن کفار کے سامنے جھکنے اور تاوانِ جنگ ادا کرنے کی ذلت گوارا نہ کی۔

قتیبہ بن مسلم باہلی کی قسم

قتیبہ بن مسلم باہلی تاریخ اسلام کے مشہور فاتحین میں سے تھا۔ ولید بن عبدالملک کے زمانۂ حکومت میں اس نے سلطنت کی توسیع باغوں کی سرکوبی اور مفتوحہ علاقوں کے انتظام میں حیرت انگیز قابلیت اور تجربے کا ثبوت دیا۔ اس نے ترکستان اور چین میں اپنی بہادری، حوصلہ مندی، جنگی مہارت اور خوش انتظامی سے پے در پے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور طخارستان، بخارا بادغیس، فرغانہ اور سمرقند کو فتح کرتا ہوا چین کی عظیم و وسیع سلطنت میں دور تک گھستا چلا گیا۔

خاقانِ چین نے سمرقند کے معرکوں میں اسلامی فوجوں کے دشمنوں کی مدد کی تھی اور اپنے لڑکے کو امدادی فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ قتیبہ بن مسلم نے خاقانِ چین کا یہ رویّہ دیکھ کر قسم کھائی تھی کہ جب تک سلطنت چین کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر کے خاقان سے جزیہ وصول نہ کرے گا، چین سے ہرگز نہیں ٹلے گا۔

کاشغر کی فتح کے بعد جب چینی علاقے یکے بعد دیگرے اسلامی

لشکر کے قبضہ میں آنے لگے تو خاقان چین نے صلح کی گفتگو کی طرح ڈالی قتیبہ بن مسلم نے دس چیدہ آدمیوں کا وفد ہبیرہ بن مشرح کی سرکردگی میں خاقان کے دربار میں روانہ کیا۔ خاقان نے اس وفد سے کئی ملاقاتیں کیں اور آخری ملاقات میں وفد کے راہنما ہبیرہ کو خوب دھمکانے کی کوشش کی گئی اور کہا کہ تم جا کر اپنے سپہ سالار قتیبہ سے کہہ دو کہ یہاں سے لوٹ جائے،

مجھے تمہاری تعداد کا علم ہے، اگر تم واپس نہ گئے تو میں ایک ایسی بڑی فوج تمہارے مقابلے میں بھیجوں گا جو تمہیں تباہ و برباد کر ڈالے گی۔ ہبیرہ نے خاقان کو اس کے جواب میں کہا: "تم اس قوم کی تعداد کو کم کیسے کہہ سکتے ہو جس کا ایک سرا تمہارے ملک میں ہے اور دوسرا شام میں ہم لوگ موت سے ڈرنے والے نہیں، موت کا وقت مقرر ہے جس پر وہ آ کر رہے گی اور لڑ کر جان دینا باعزت موت ہے۔ اس لیے نہ ہم قتل سے ڈرتے ہیں نہ اسے برا جانتے ہیں۔

ہمارے سردار نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تمہاری سرزمین کو پیروں سے پامال کر کے جزیہ وصول نہ کرے گا واپس نہیں جائے گا" اس گفتگو سے خاقان کی تری کی تمام ہو گئی، وہ ترکستان کا حشر دیکھ

چکا تھا اور خواہ مخواہ مسلمانوں سے بھڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ اطاعت پر آمادہ ہو گیا اور جزیہ ادا کر کے بہت سے قیمتی تحفے قتیبہ کو بھیجے اور ساتھ ہی اپنے ملک کی مٹی ایک بوری میں بھیج دی تاکہ قتیبہ بن مسلم سے پاؤں تلے روند کر اپنی قسم پوری کر سے۔

میں واقعی نیک بخت ہوں!

بنو امیہ کی تاریخ کو جن لوگوں نے اپنے ظلم و ستم اور سیاہ کاریوں سے داغدار کیا تھا، ان میں حجاج بن یوسف بہت مشہور ہے۔ اس شخص کی سنگدلی اور سفاکی سے تنگ آکر کئی مرتبہ لوگوں نے بغاوتیں بھی کیں، لیکن جب اس نے ان بغاوتوں کو فرو کیا تو پہلے سے کئی گنا زیادہ ظلم و ستم اور خون ریزی کا ارتکاب کیا۔

لاشوں کو تڑپانے اور معمولی غلطیوں پر خون کی ندیاں بہانے سے اسے لطف حاصل ہوتا تھا۔ اس کی گورنری کے زمانے میں عبدالرحمٰن بن محمد ابن اشعث نے ظلم و ستم اور سختیوں سے تنگ آکر بغاوت کر لی تھی۔ وقت کے بڑے بڑے نامور فقہار اور نیکوکار علمار نے ابن اشعث کا ساتھ دیا تھا۔ بدقسمتی سے بغاوت ناکام ہو گئی اور اس میں شامل ہونے والوں یا بنی اشعث سے ہمدردی رکھنے والوں

حجّاج نے ہولناک تکلیفیں پہنچائیں۔ بہت سوں کو قتل کر دیا اور بعض کو ذلیل وخوار کر کے معاف کر دیا۔ قتل ہونے والوں میں مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر بھی تھے۔ ابن اشعث کی ناکامی کے بعد سعید بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اصفہان اور آذربائجان کے مختلف مقامات پر روپوش رہے اور آخر کار مکّہ میں جاکر پناہ گزین ہو گئے۔

ان دنوں حجاز کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے جنکی نیکی اور راست بازی کے باعث بہت سے مظلوم عراق وغیرہ سے نکل کر حجاز میں بہ امن زندگی بسر کر رہے تھے۔ حجّاج کی شکایت پر ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو حجاز کی حکومت سے معزول کر دیا اور مکّہ مکرّمہ کی حکومت خالد بن عبداللہ قسری کے سپرد کی۔ خالد قسری نے گورنر بنتے ہی اہل عراق کو گرفتار کر کے حجّاج کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔

چنانچہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پابجولاں کر کے کوفہ پہنچا دیا گیا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ میں خود انہی کے مکان میں ٹھہرایا گیا، جہاں ان کے اہل وعیال نے ان کی ہتھ کڑی اور بیڑیاں دیکھ کر سخت بے چینی کا اظہار کیا۔ سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک چھوٹی بچی کو گود میں لیا تو وہ ان کی بیڑیاں دیکھ کر بلک بلک کر رونے

گی۔ صبح کو انہیں حجّاج کے سامنے لے جایا گیا جہاں انہوں نے اس ظالم و سنگدل کے سامنے نہایت بے پروائی سے بیباکانہ گفتگو کی وہ حجّاج کی بعض باتوں کو قابلِ جواب نہ پاکر خاموش رہتے اور جس بات کا جواب دیتے، پوری بے باکی و بے خوفی سے دیتے۔ گفتگو ختم ہوئی تو حجّاج نے کہا۔" خدا کی قسم، میں تمہیں ضرور قتل کروں گا۔" سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بولے "! اگر تم نے ایسا کیا تو میں واقعی سعید (نیک بخت) ہوں گا۔

جیسا کہ میری ماں نے میرا نام سعید رکھا تھا لیکن تیرے شقی (بدبخت) ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے گا۔" اس پر حجّاج غصّہ سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔" اچھا یہ بتاؤ کہ تم کس طرح قتل ہونا پسند کرو گے ؟" ابنِ جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا۔" اسی طرح جس طرح تم میرے قصاص میں خدا کے ہاں مارا جانا پسند کرو !" اس پر حجّاج نے جلّاد کو قتل کا حکم دیا۔ جب تلوار گردن پر پڑی تو سر اچھل کر زمین پر پڑا۔ اس وقت ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ایک چھوٹی سی ٹوپی چپکی ہوئی تھی۔ جب سر زمین پر گرا تو اس میں سے ایک مرتبہ بلند آواز سے اور دو مرتبہ آہستہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی آواز نکلی۔

حجاج یہ نظارہ دیکھ کر بدحواس ہو گیا۔ درموت کے دن تک اس کی یہ حالت تھی کہ اکثر کہا کرتا:

"میرا اور سعید رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بڑا خطرناک ہے!"

مسلم فاتحین کے اصولِ جہانبانی

ولید بن عبدالملک کے زمانۂ حکومت میں مسلمانوں نے سندھ، اچھوا، کشمیر اور پنجاب کے کچھ حصوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔ اس سے پہلے سرحدی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن سندھ اور دوسرے علاقوں کی باقاعدہ فتح کا سہرا سترہ سالہ نوجوان محمّد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔ دیگر وجوہ کے علاوہ اس کا فوری باعث سندھ کے راجہ داھر کا مسلمانوں کے جہازوں کو مال و اسباب اور عورتوں بچوں سمیت لوٹ لینا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ غیرت اسلامی شباب پر تھی۔ اس فوری واقعہ نے عرب میں آگ لگا دی اور حاکمِ عراق حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو اس مہم پر مامور کیا۔ ابن قاسم سے پہلے کئی مہمیں ناکام ثابت ہو چکی تھیں، اس لیے عرب بھر کی نگاہیں اس مہم کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

محمدّ بن قاسم نے سندھ کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زیر و زبر کر ڈالا۔ راجہ داہر قتل ہوا۔ اس کی فوج تتر بتر ہو گئی اور اسلامی حکومت کے قدم پختہ طور پر اس سرزمین میں جم گئے۔ محمدّ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک عظیم فاتح اور فنونِ حرب و ضرب کا دھنی ہی نہ تھا بلکہ قدرت کی فیاضیوں نے اس نوجوان کو جہانبانی اور جہانداری کے نشیب و فراز سے بھی پوری طرح بہرہ ور کیا تھا۔

اس نے مفتوحہ علاقوں کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ تھوڑے سے ہی عرصے میں اس کی رعایا اس پر جان چھڑکنے لگی۔ اس کے اخلاق و رواداری سے متاثر ہو کر کئی راجے مہاراجے اور رئیس داخلِ اسلام ہو گئے غیر مسلموں کو اس نے پوری مذہبی آزادی دی اور رعیّت کے مختلف طبقوں کے درمیان کوئی امتیاز روا نہ رکھا۔

ادھر بنی امیہّ کی شان و شوکت کی جڑوں میں گھن لگنا شروع ہو گیا تھا اور برسرِ اقتدار خاندان کے افراد میں گروہ بندی، حسد و بغض اور چپقلش شروع ہو چکی تھی، ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان سریرِ سلطنت پر بیٹھا اور اس نے چن چن کر ولیدی دَور کے امرار و عمائد پر بے پناہ ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ فاتح سندھ محمدّ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ، فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ

اور دوسرے کئی مشہور لوگ بھی ظلم کی چکی میں پس گئے، محمدؐ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی ہندوستانی رعایا اس کی جاں نثار تھی۔ اگر وہ چاہتا تو اس ملک میں ایک خود مختار حکومت قائم کر لیتا اور مرکزی حکومت کے لیے بے پناہ مشکلات کا باعث بنتا لیکن بہادر اور دلیر ہونے کے ساتھ وہ نظم و ضبط اور اتحاد و اتفاق کا عظیم حامی ثابت ہوا اور جب دارالخلافہ سے اس کی طلب ہوئی تو بلا عذر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عرب کو روانہ ہو گیا۔

جب ابنِ قاسم رحمۃ اللہ علیہ روانہ ہو رہا تھا تو سندھ اور پنجاب کی غیر مسلم رعایا دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور اس کے دامن سے لپٹ کر واپسی کا ارادہ منسوخ کر دینے کی التجا کر رہی تھی۔ اس کی روانگی کے بعد ان لوگوں نے ابنِ قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے محبت و عقیدت کے طور پر اس کا مجسمہ اور تصویریں بنا کر رکھیں۔

سرزمینِ اندلس میں طارق ابنِ زیاد کی پہلی تقریر

ولید بن عبد الملک کے دَور حکومت میں اندلس (سپین) پر ایک ظالم اور عیش پرست بادشاہ راڈرک (لزریق) حکومت کرتا تھا۔ وہ رعایا کی حسین و جمیل لڑکیوں کو زبردستی اپنی ہوس کا شکار بنایا کرتا تھا۔ لوگ اندر ہی اندر کڑھتے تھے لیکن اس ظالم خونخوار بھیڑیے سے نجات کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آتی تھی۔

سبتہ کے حاکم کاونٹ جولیان کی نوجوان لڑکی بھی راڈرک کی ہوس کا نشانہ بن چکی تھی۔ اور وہ اس ظالم درندے سے انتقام پر تلا ہوا تھا۔ انہی دنوں میں افریقہ میں مسلمانوں کی ایک تازہ دم طاقت ابھر رہی تھی۔ موسیٰ بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ مشہور فاتح کو کاؤنٹ جولیان نے خطوط لکھے اور خود بھی ملاقات کر کے سپین پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔

موسیٰ بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے ولید کی اجازت سے پہلے اپنے غلام طریف کو دریافتِ احوال کے لیے بھیجا اور پھر سات ہزار کی فوج دے کر اپنے دوسرے غلام طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کو اندلس کی فتح پر مامور کیا۔ کاونٹ جولیان کی رہنمائی میں طارق نے آبنائے کو عبور کر کے جبل الطارق (جبرالٹر) پر اپنا لشکر اتار دیا اور آگے بڑھنے

پہلے جن جہازوں میں یہ لوگ افریقہ سے آئے تھے انہیں آگ لگوا دی تاکہ کسی کے دل میں واپسی کا خیال باقی نہ رہے۔ راڈرک کو جب حالات کی اطلاع ملی تو وہ ایک لاکھ فوج لے کر طارق رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آ خیمہ زن ہوا۔ اس عرصے میں موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ ہزار فوج اور بھیج دی۔ وادیٔ لکہ میں مقابلہ ہوا۔ میدان جنگ میں طارق رحمۃ اللہ علیہ نے فوج سے یوں خطاب کیا:

"اے میرے ساتھیو!

میدان جنگ سے بھاگنے کی اب کوئی صورت نہیں۔ آگے دشمن ہے اور پیچھے سمندر، خدا کی قسم! صرف پامردی اور استقلال میں نجات ہے۔ یہی وہ فاتح فوجیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں اگر یہ دو باتیں موجود ہیں تو تعداد کی کمی سے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا لیکن بزدلی، کاہلی، سستی، نامردی، اختلاف اور غرور کی موجودگی میں تعداد کی کثرت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

لوگو! میری تقلید کرو۔ جب میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ کر دینا اور جب رک جاؤں تو تم بھی رک جانا۔ جنگ کے وقت سب مل کر ایک جسم بن جاؤ۔ میں اس سرکش (راڈرک پر حملہ کر کے دست بدست مقابلہ کروں گا۔ اگر میں اس حملہ میں شہید ہو گیا تو رنج و غم نہ کرنا اور

نہ میرے بعد آپس میں اختلاف کرنا، اس سے تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار! ذلّت پر ہرگز راضی نہ ہونا اور اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ مت کرنا۔ اللہ تعالےٰ نے جہاد اور جفاکشی کے ذریعہ سے دنیا میں تمہارے لیے جو عزت و شرف اور آخرت میں شہادت کا جو ثواب مقرّر کیا ہے، اس کی طرف بڑھو۔"

اس پرجوش تقریر کے بعد طارق رحمۃ اللہ علیہ یک لخت اپنے بارہ ہزار ساتھیوں سمیت راڈرک کے ٹڈی دل لشکر پر ٹوٹ پڑا اور تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف تھا۔ فتح و نصرت کی خوشیوں کے ساتھ مجاہدین نے سرزمینِ اندلس پر پہلی نمازِ شکرانہ ادا کی۔

فقرِ غیور

حضرت سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے تابعی گزرے ہیں اللہ تعالےٰ نے انہیں علم و فضل کے ساتھ ساتھ زہد و قناعت اور عملِ صالح کی صلاحیتوں سے بھی مالا مال کیا تھا۔ وہ بہت بڑے محدّث، فقیہ اور مفسّرِ قرآن تھے، ان کا اکثر وقت مسجد نبوی میں تعلیم و تدریس اور ذکر و فکر میں بسر ہوتا تھا۔ لوگ احترام سے ان کے سامنے آنکھیں نہیں اٹھاتے تھے۔

جدھر کو نکل جاتے عوام دیوانہ واران کی زیارت اور ملاقات کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے۔ حجّاج کی شکایت پر ولید بن عبدالملک نے حجاز کی گورنری سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو معزول کر دیا تھا، لیکن ان کے زمانۂ حکومت میں مسجد نبوی کی از سرِ نو تعمیر ہوئی تھی اور ولید ۹۱ھ میں حج سے فارغ ہو کر مسجدِ نبوی کی عمارت کو دیکھنے مدینہ آیا ہوا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی مدینہ میں موجود تھے۔ مدینہ کے گورنر نے ولید کے مسجد کے اندر داخل ہونے سے پہلے سب لوگوں کو حکماً مسجد سے باہر نکال دیا، لیکن سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ بار بار پولیس کے کہنے کے باوجود مسجد سے باہر نہ نکلے اور فرمایا کہ "جب تک میرے نکلنے کا وقت نہ آئے گا، باہر نہیں جاؤں گا۔"

ولید حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گھوم پھر کر مسجد کی عمارت کو دیکھتا رہا۔ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ولید کو ادھر ادھر گھماتا تھا، لیکن اس طرف نہ لے جاتا جہاں سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے۔ کسی سرکاری ملازم نے سعید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اٹھ کر امیر المومنین کی تعظیم کیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ "مسجد خدا کا گھر ہے اور میں اس کی عبادت کے لیے بیٹھا ہوں۔ اس لیے ہرگز ولید کے لیے نہیں اٹھوں گا۔"

آخر پھرتے پھراتے ولید کی نظر سعید رحمۃ اللہ علیہ پر پڑ ہی گئی۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ کسی نے جواب نہ دیا تو خود ہی کہنے لگا کیا یہ سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ ہیں؟ عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا "جی ہاں یہ سعید ہیں۔ اللہ نے انہیں یہ فضائل عطا کیے ہیں۔ انہیں اگر آپ کے آنے کی خبر ہوتی تو ملاقات کے لیے ضرور اٹھتے اور سلام کہتے لیکن نگاہ کمزور ہے، اس لیے معذور ہیں۔"

ولید نے کہا "کوئی بات نہیں، میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔" چنانچہ مسجد کی عمارت کو دیکھ کر ولید وہاں پہنچا جہاں سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے تھے۔ انہیں سلام کہا اور خیریت دریافت کی سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے جسم میں ذرہ برابر حرکت پیدا نہ ہوئی۔ بیٹھے بیٹھے یہ فرمایا "الحمد للہ! میں بخیریت ہوں۔ فرمائیے آپ کا کیا حال ہے؟" تھوڑی سی گفتگو کے بعد ولید وہاں سے یہ کہتے ہوئے واپس ہوا کہ "ہمارے پچھلے بزرگوں کی یہ آخری نشانی اب باقی ہے!"

ذمہ داری کا احساس

سلیمان بن عبد الملک اموی نے مشہور محدّث رجاء بن حیوہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے اور ترغیب سے حضرت عمر بن عبد العزیز اموی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ولی عہد بنایا۔ لیکن چونکہ بنی امیہ کی مخالفت کا اندیشہ تھا۔ اس لیے سلیمان نے وصیّت لکھوا کر سربمہر کروا دی اور تاکید کر دی کہ میری موت کے بعد ہی یہ وصیّت نامہ کھولا جائے اور اس وقت میری زندگی میں نامزد خلیفہ کی بیعت بغیر نام ظاہر کیے لے لی جائے۔ شاہی خاندان کے افراد کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ عمر بن عبد العزیز کو ولی عہد بنایا جا رہا ہے۔

اس لیے سلیمان کی زندگی میں انہوں نے خوشی خوشی ولی عہد کا نام جانے بغیر بیعت کر لی۔ سلیمان کی موت کے بعد رجاء بن حیوہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس خطرہ سے کہ کہیں موت کی خبر سننے کے بعد شاہی خاندان کے افراد بیعت میں لیت و لعل نہ کریں، موت کی خبر کو اتنی دیر تک چھپائے رکھا جب تک دوبارہ تمام اہل خاندان سلیمان کی وصیّت پر بیعت نہ کر چکے بیعت کے بعد وصیّت نامہ برسرِ عام کھول کر سنایا گیا۔ ہشام بن عبد الملک نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا نام سن کر بیعت کرنے سے انکار کر

دیا۔ لیکن رجاء بن حیوۃ نے کہا کہ خاموشی سے بیعت کرو ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں گا اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں منبر پر بٹھا دیا۔ خلافت کا بوجھ سر پر آتے ہی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی یک لخت بدل گئی۔ اس سے پہلے ان کی خوش لباسی اور نفاست کا یہ عالم تھا کہ جس لباس پر ایک مرتبہ کسی کی نظر پڑ جاتی پھر وہ نہ پہنتے تھے ہر وقت خوشبو سے معطر رہتے اور بالوں اور کپڑوں پر عنبر کا سفوف چھڑکتے تھے۔

ان کے زمانۂ شہزادگی میں خوش پوشاکی اور جامہ زیبی میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا، لیکن تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی انہوں نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا روپ دھار لیا۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین کے بعد جب بیعت عام ہو چکی تو حسب دستور ان کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے واپس کر دیا کہ "میرے لیے میرا خچّر کافی ہے"

گھر پہنچے تو خلافت کے عظیم بوجھ کی ذمہ داری کے احساس سے چہرہ متفکّر اور پریشان تھا۔ گھر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ خادمہ نے پوچھا: "خیر تو ہے۔ آپ اس قدر متفکّر کیوں ہیں؟" فرمانے لگے "اس سے بڑھ کر فکر اور تشویش کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ مشرق و مغرب

میں امتِ محمدیہ صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور مطالبہ اور اطلاع کے بغیر اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو!" خلافت کے متعلق ان کا نظریہ اور امیرالمومنین ہونے کی حیثیت سے ان کا عمل ان الفاظ سے واضح ہے۔

خلافت کا اسلامی تصوّر

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلافت کی عظیم ذمّہ داریوں سے گھبراتے تھے۔ علاوہ ازیں چونکہ ان کا انتخاب مشورہ سے نہیں ہوا تھا اس لیے کافی غور و فکر کے بعد آپ خلافت سے دست برداری کے لیے تیار ہوگئے اور مجمع عام میں اعلان فرمایا:

"لوگو! مجھ پر خلافت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ نہ میری رائے لی گئی، نہ میں اس کا خواہشمند تھا اور نہ عام مسلمانوں سے اس کے متعلق مشورہ لیا گیا اس لیے خوب سن لو کہ میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردنوں میں ہے میں خود اس کو اتارے لیتا ہوں۔ اب تم جسے چاہو، اپنا خلیفہ منتخب کر لو!"

سارا مجمع بیک آواز بول اٹھا: "ہم نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا اور ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔"

جب آپ کو یقین ہوگیا کہ سب لوگ آپ کی خلافت سے راضی

ہیں تو آپ نے یہ عظیم بوجھ اٹھانے پر آمادگی ظاہر کی اور ایک مفصّل تقریر فرمائی، جس میں مسلمانوں کے حقوق و فرائض بیان کیے۔ اس تقریر میں یہ بھی فرمایا:

"جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور نہ قرآن کے بعد خدا کی طرف سے کوئی کتاب آئے گی، جو چیز حلال ہے وہ قیامت تک کے لیے حلال ہے اور جو چیز حرام ہے وہ بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ صرف خدا کے احکام کو چلانے والا ہوں، میں کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں بلکہ احکام شرع کی پیروی کرنے والا ہوں۔

کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے، جو خدا کی اطاعت کرے، اس کی اطاعت واجب ہے اور جو اس کی نافرمانی کرے، اس کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ جب تک میں خدا کے احکام کی پیروی کروں، تم میری اطاعت کرو اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میری فرمانبرداری تم پر فرض نہیں ہے۔ تمہارے مقابلے میں میری کوئی امتیازی حیثیت نہیں۔ البتّہ خدا نے مجھ پر تم سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ ڈال دیا ہے۔

اہل وعیال خُدا کے سپرد ہیں

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت سنبھالنے کے بعد اصلاح و تجدید کا کام شروع کیا۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم فرض رعایا اور زیر دستوں کے اس مال اور جائیداد کی واپسی تھی۔ جسے شاہی خاندان کے ارکان گورنروں اور رئیسوں نے اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ یہ کام بڑا نازک تھا۔ اس کو ہاتھ میں لینا گویا سارے خاندان کی مخالفت مول لینا تھا، لیکن انہوں نے ابتدار اسی سے کی۔

چنانچہ خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے قریش اور دوسرے قبائل کے لوگوں کو جمع کر کے کہا: "فدک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زیر انتظام تھا، پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما اپنے دور میں اس کا اہتمام کرتے رہے، لیکن کسی نے اسے ذاتی ملکیت نہ بنایا اور اس کی آمدنی کو انہی مصارف میں خرچ کیا جن میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم صرف فرماتے تھے۔ آخر میں مروان نے اسے اپنی جاگیر میں لے لیا اور اب وہ مجھے ملا ہے، میں تم لوگوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں فدک کو پھر اسی مصرف میں واپس کرتا ہوں جس میں وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔"

پھر اپنے غلام مزاحم سے فرمایا کہ :
"زمین کے جو قطعات مجھے جاگیر میں ملے تھے، نہ ان کے دینے والوں کو دینے کا اختیار تھا، نہ مجھے لینے کا حق تھا، اس لیے میں نے طے کیا ہے کہ ان سے دست بردار ہو جاؤں۔" مزاحم نے عرض کیا کہ حضرت پھر اہل و عیال کی روزی کا سامان کیا ہو گا؟ یہ سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ "اہل و عیال کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"
سعادت مند بیٹا بولا کہ "حضور! جلد کیجئے کیا معلوم رات تک کیا ہو جائے یا آپ کے دل میں کوئی اور خیال پیدا ہو جائے۔" عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بیٹے کی اس سعادت مندی پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اسی وقت اپنی جاگیروں کے احکام منگوا کر قینچی سے ریزہ ریزہ کر ڈالے اور انہیں اصل حقداروں اور مالکوں کو واپس کر دیا۔
ان کے اہل خاندان بہت چیخے چلائے، احتجاج کیا، بعض نے بغاوت کی دھمکی بھی دی، لیکن انہوں نے کچھ پروا نہ کی اور ایک ایک کر کے ساری ناجائز جاگیریں اصل حقداروں کو واپس کر دیں اور اپنے اہل خاندان سے فرمایا: "واللہ! اگر اس حق کام میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تمہیں ذلیل و رسوا کر کے چھوڑوں گا۔"

فاروقی خون رنگ لاکر رہا!

بنو امیہ نے بالعموم اور مروان کی اولاد نے بالخصوص حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے اصلاحی ارادوں سے روکنے کے بڑے جتن کیے خفیہ خط لکھے، دھمکیاں دیں۔ بغاوت سے ڈرایا۔ رشتہ داری کے واسطے دیے لیکن عمر رحمۃ اللہ علیہ اپنے لیے جو راستہ منتخب کر چکے تھے وہ اسی پر بڑھتے چلے گئے۔ جب ان کے اہل خاندان نے دیکھا کہ وہ کسی بات نہیں آتے تو ایک دفعہ ان کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان کو سفارشی بنا کر ان کے پاس بھیجا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی پھوپھی کا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے، اور اسی احترام کو بنی امیہ نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا۔

فاطمہ بنت مروان نے ان سے کہا "کہ بیٹا! تمہارے رشتہ دار شکایت ہیں کہ تم نے ان سے دوسروں کی دی ہوئی روٹی بھی چھین لی ہے چہ جائیکہ خود انہیں کچھ دیتے" انہوں نے جواب دیا کہ "پھوپھی جان! میں نے ان لوگوں کا کوئی حق نہیں روکا" پھوپھی نے کہا "سب لوگ شکایت اور چیخ پکار کر رہے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ تمہارے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔"

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بولے: "اگر میں قیامت کے دن کے سوا کسی اور دن سے ڈروں تو اللہ تعالےٰ مجھے اس کی برائیوں سے نہ بچائے" اس کے بعد انہوں نے ایک اشرفی، گوشت کا ایک ٹکڑا اور آگ کی انگیٹھی منگوائی۔ اشرفی کو آگ میں تپا کر گوشت پر رکھا۔ جب وہ بھن گیا تو فرمانے لگے۔ "پھوپھی جان! کیا تم اپنے بھتیجے کے لیے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں؟"

پھر بولے "اے پھوپھی! سنئے۔ اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ نے ایک ایسا چشمہ چھوڑا جس میں سے پانی پینے کا حق سب کے لیے یکساں تھا۔ پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے بھی اس چشمہ کو اسی حالت پر رکھا۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے وہ چشمہ یزید، مروان، عبد الملک، ولید اور سلیمان کے ہاتھوں میں آیا اور ان لوگوں نے اس چشمے میں سے نہریں نکال لیں جن کی وجہ سے وہ خشک ہو گیا ہے۔

اب جب تک اس چشمے کو دوبارہ اس کی پہلی حالت پر نہ لایا جائے گا، لوگ اس سے سیراب نہ ہو سکیں گے۔ خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو تمام نہروں کو بند کر کے چشمے کو اس کی اصلی حالت پر لے آؤں گا۔"

فاطمہ یہ سن کر کہنے لگی: "بیٹا! تمہارے بھائیوں کے اصرار سے میں تم کو سمجھانے آئی تھی، لیکن جب تمہارا خیال یہ ہے تو اب میں کچھ نہیں کہتی" یہ کہہ کر فاطمہ بنت مروان واپس بنو امیہ کے پاس گئی۔

انہیں سارا قصہ سنایا اور کہا: "یہ سب تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ نہ تم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بیٹے عاصم کی لڑکی کو عبدالعزیز سے بیاہتے نہ آج یہ دن دیکھنا پڑتا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے ننھیال پر گیا ہے اس میں عمر بن الخطّاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا خون اور انہی کا سا دم خم ہے۔ اب تو تمہیں یہ سب کچھ بھگتنا ہی ہو گا۔ چپکے سے برداشت کرو۔"

ہادی یا تحصیلدار

حجّاج، حکومت کی آمدنی بڑھانے کے لیے نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا تھا۔ یہ صریحاً ظلم اور ہدایاتِ کتاب وسنّت کے خلاف تھا۔ اس جفا کاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ تبلیغِ اسلام کے راستے بند ہو رہے تھے اور لوگ محسوس کرتے تھے کہ اگر مسلمان ہو کر بھی جزیہ ادا کرنا ہے تو پھر مذہب کیوں بدلا جائے! حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس ظالمانہ دستور کو بند کر دیا اور ایک عام حکم جاری کر

دیا کہ جو شخص اسلام قبول کرے، اس سے جزیہ وصول نہ کیا جائے۔ اس حکم پر صرف مصر میں اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ بیت المال کی آمدنی بہت کم ہو گئی۔ حیان بن شریح حاکم مصر نے حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کو لکھا کہ آپ کے حکم کی وجہ سے اس کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ کہ خزانے کی آمدنی گھٹ گئی ہے اور مجھے قرض لے کر ضروری اخراجات پورے کرنے پڑتے ہیں۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ "جزیہ تو ہر حال میں موقوف رکھو، کسی مسلمان پر مت رکھو اور یاد رکھو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، وہ محصول وصول کرنے نہیں آئے تھے۔"

قدیم ترین دستاویز

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عدل اور اصلاحی پروگرام نے بنوامیہ کو بالکل ہی تہی دست کر دیا اور ان میں شدید برہمی اور ناراضگی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ آلِ مروان نے ہشام بن عبدالملک کو اپنا نمائندہ بنا کر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ ہشام نے جا کر حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جن معاملات کا تعلق آپ کے زمانے

ہے اور جو واقعات آپ کے دور میں پیش آئیں ان میں آپ جو چاہیں کریں لیکن جو کچھ گذشتہ خلفاء کر گئے ہیں اس میں تبدیلی مت کیجئے۔ ان کا ثواب یا وبال ان پر ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ "اگر ایک ہی معاملے میں تمہارے پاس دو دستاویزیں ہوں، ایک امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اور دوسری عبدالملک بن مروان کی تو تم ان میں سے کس پر عمل کرو گے؟" ہشام نے کہا کہ "میں اس صورت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ کی دستاویز کو ترجیح دوں گا کیونکہ وہ قدیم ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مقام عبدالملک سے بہت اونچا ہے"

اس پر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"پھر میں نے اللہ کی کتاب کو سب سے قدیم دستاویز پایا ہے اس لیے میں ہر معاملے میں چاہے میرے زمانے کا ہو یا پہلے کا، اسی قدیم ترین دستاویز پر عمل کروں گا۔" بنی امیہ اس پر بوکھلا اٹھے اس موقعے پر سعید بن خالد بن یزید بولا۔" اے امیرالمومنین! جو چیز آپ سے تعلق رکھتی ہو، اس میں آپ بلا شبہ حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کیجئے لیکن گذشتہ خلفاء کے فیصلوں کو ان کی حالت پر رہنے دیجئے،

کیونکہ ان کی اچھائی یا برائی کے وہ ذمہ دار ہیں آپ سے ان کے متعلق سوال نہ ہوگا۔" حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "میں تم سے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مر جائے اور بڑے لڑکے تشدد اور ظلم و ستم سے چھوٹوں کو دبالیں اور سارے مال پر قبضہ کر کے کھا جائیں۔ پھر چھوٹے لڑکے تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم کیا کرو گے؟"

سعید نے کہا کہ "میں ان چھوٹوں کی مدد کروں گا اور ان کے حقوق واپس دلاؤں گا۔" حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "میں بھی تو یہی کام کر رہا ہوں۔ مجھ سے پہلے خلفاء اور ان کے خاندان والوں اور امیروں وزیروں نے کمزور رعایا کے حقوق دبا لیے تھے۔ اب جب میں خلیفہ ہوا تو وہ کمزور لوگ میرے پاس فریاد لے کر آئے۔ ایسی حالت میں میرے لئے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور ظالم سے مظلوم کا حق واپس دلاؤں۔"

حق اور عدل وانصاف کی طاقت

اسلامی قانون میں محض شبہ یا بدگمانی کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دی جاسکتی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد ذرا ذرا سی بدگمانی اور شبہ کی بنا پر سزا دینا عام ہوگیا تھا اور اس سزا کا نشانہ عام طور پر سیاسی مخالفین کو بنایا جاتا تھا۔ جس نے ذرا مخالفت کی یا جس سے سیاسی اختلاف یا اس کا شبہ ہوا کسی نہ کسی بہانے سے اسے دھر لیا جاتا اور کوڑوں یا قتل کی سزا جو صرف خاص خاص شرعی حدود یا قصاص میں دی جاسکتی تھی اسے معمولی جرائم یا شبہات کی بنا پر بے دریغ استعمال کیا جاتا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب ظالمانہ طریقے بالکل بند کر دئیے۔

موصل کے علاقے میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں کثرت سے ہوتی تھیں۔ وہاں کے حاکم غسانی نے دربار خلافت میں لکھا کہ "جب تک لوگوں کو شبہ میں پکڑا جائے گا۔ اور عبرت ناک سزائیں نہ دی جائیں گی اس وقت تک یہ وارداتیں بند نہیں ہو سکتیں"۔ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا: "صرف شرعی ثبوت پر گرفت کرو اور سزا دو۔ اگر حق ان لوگوں کی اصلاح نہیں کر سکتا تو بے شک ان لوگوں کی

اصلاح نہ ہو۔"

اسی طرح جرّاح بن عبداللہ حاکم خراسان نے لکھا کہ "یہاں کے لوگوں کی روش نہایت خراب ہے۔ ان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی چیز درست نہیں کر سکتی۔ اگر آنجناب مناسب سمجھیں تو ان سزاؤں کی اجازت دے دیں۔" آپ نے جواب میں لکھا: "تمہارا یہ کہنا کہ اہل خراسان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی اور چیز درست نہیں کر سکتی، بالکل غلط ہے ان کو عدل اور حق درست کر سکتا ہے، جہاں تک ہو سکے۔ اسی کو عام کرو۔"

مردِ مومن کی اولاد کے لئے وصیّت :

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ساری موروثی جاگیر اور گھر کا ایک ایک تنکا بیت المال میں واپس کر دیا تھا اور آپ کی وفات کے وقت اولاد کی معاشں کا کوئی سامان باقی نہ رہ گیا تھا۔ وفات سے کچھ دیر پہلے آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے عرض کیا:

" امیرالمومنین! آپ نے مال و دولت سے اپنی اولاد کا منہ ہمیشہ خشک رکھا اور انہیں اب خالی ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق مجھے یا خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ وصیّت فرما جائیے!"

یہ سن کر آپ نے فرمایا: "تم کہتے ہو کہ میں نے مال و دولت سے اولاد کا منہ خشک رکھا، خدا کی قسم! میں نے ان کا کوئی حق نہیں مارا البتہ جس مال میں ان کا کوئی حق نہیں تھا وہ انہیں نہیں دیا۔ تم کہتے ہو کہ میں ان کے متعلق کسی کو وصیت کرتا جاؤں، سو اس معاملہ میں میرا وصی اور ولی خدا تعالٰے ہے جو نیکوکاروں کا دوست ہے۔

میرے بچے اگر خدا سے ڈریں گے تو وہ ان کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال دے گا اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کے لیے مال چھوڑ کر انہیں گناہ پر اور دلیر اور طاقتور نہ بناؤں گا۔" اس کے بعد انہوں نے اپنی اولاد کو اپنے سامنے بلایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا:

"میری جان تم پر قربان جنہیں میں خالی ہاتھ چھوڑے جا رہا ہوں لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہیں ایسی حالت میں چھوڑا ہے کہ کسی مسلمان یا ذمی کا تم پر کوئی حق نہیں ہے جس کے لیے وہ تم سے مطالبہ کر سکے میرے بچو! تمہارے باپ کے اختیار میں دو باتوں میں سے ایک بات تھی۔ پہلی بات یہ کہ تم خوب دولت مند ہو جاؤ اور باپ دوزخ میں جائے دوسری بات یہ کہ تم خالی ہاتھ رہ جاؤ اور تمہارا باپ جنت میں جائے پیارے بچو! تمہارے باپ نے دوسری بات پسند کی ہے۔ تمہارا

خدا حافظ ہے۔ وہی تم کو اپنی حفاظت اور امان میں رکھے گا!"

عدل کے قلعے اور انصاف کے راستے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی پوتی جناب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کے حق میں کچھ پیشین گوئیاں بھی کی تھیں۔ چنانچہ ابن سعد کہتے ہیں، کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہا کرتے تھے۔ "کاش میں اپنے زخمی چہرے والے بیٹے کا زمانہ پاتا جو عدل کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ اس وقت ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔"

زخمی چہرے والے بیٹے سے مراد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے ماتھے پر بچپن میں گھوڑے نے لات مار دی تھی۔ ان کے والد عبدالعزیز ان کے چہرے سے خون پونچھتے جاتے اور کہتے جاتے تھے: اگر تو وہی زخمی چہرے والا (اشج) ہے تو تو یقیناً سعادت مند ہے۔"

زمانۂ خلافت میں کسی گورنر نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ: "ہمارے علاقے کے قلعے اور راستے مرمت کے قابل ہیں۔ بیت المال سے ان کی مرمت اور درستی کی اجازت عطا کی

جائے !" حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس گورنر کو جواب میں تحریر فرمایا : " تمہارے خط کے مضمون سے آگاہی ہوئی ۔ اینٹ ، پتھر اور مٹی کی دوستی تو بعد میں بھی ہوتی رہے گی ، لیکن تم میرا یہ خط پڑھتے ہی اپنے علاقے میں عدل و انصاف کے قلعے استوار کر لو اور ان کے راستوں کو ظلم و جور سے پاک کر کے سیدھا اور ہموار کر لو ۔ کیونکہ امن و امان اور رعایا کی خوشحالی کا دارومدار اسی پر ہے" !

کسی شخص نے امام محمد بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہا بن الحسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ یعنی امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے جناب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ان کی رائے دریافت کی ، تو انہوں نے فرمایا : " عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بنو امیۃ کے نجیب اشریف ، سردار ہیں اور قیامت کے دن ایک پوری امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے" !

بسم اللہ تشریف لائیے

بنو امیۃ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے گلو خلاصی کرانے کے لئے ان کے ایک خادم کو سازش میں شریک کیا اور ایک ہزار دینار دے کر اسے آپ کو زہر دینے پر آمادہ کر لیا ۔ جب وہ اپنا کام کر چکا تو آپ اس سازش کا علم ہو گیا ۔ آپ نے اس غلام سے وہ ہزار دینار

منگوا کر بیت المال میں جمع کرا دیے اور اسے حکم دیا کہ "بھاگ جاؤ، کوئی تمہیں دیکھ نہ پائے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب میری وجہ سے تم موت کے منہ میں نہ چلے جاؤ!" جب آپ کا آخری وقت آپہنچا اور نزع کی کیفیت شروع ہونے لگی تو آپ نے سب لوگوں سے فرمایا کہ "مجھے تنہا چھوڑ دو!"

سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ آپ کی بیوی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا اور اس کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک دروازے کے قریب کھڑے رہے۔ انہوں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں: "بسم اللہ! تشریف لائیے! یہ صورت نہ آدمیوں جیسی ہے نہ جنوں جیسی۔" تھوڑی سی خاموشی کے بعد آپ نے باواز بلند یہ آیت پڑھی اور پھر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

"یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے مقرر کرتے ہیں جو زمین میں تکبر اور فساد نہیں چاہتے اور انجام کار خدا کا خوف رکھنے والوں ہی کے لئے ہے!"

جب کچھ دیر تک کوئی آواز نہ آئی تو آپ کی بیوی اور سالا دونوں اندر گئے۔ دیکھا کہ آپ وفات پا چکے ہیں۔

درویش بادشاہ

محمد بن معبد کا بیان ہے کہ میں شاہِ روم کے پاس گیا تو اسے نہایت غمگین صورت بنائے زمین پر بیٹھے پایا۔ میں نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ بادشاہ بولا کہ تمہیں معلوم نہیں کیا ہوا؟ میں نے پوچھا فرمایئے کیا ہوا؟ شاہِ روم نے کہا کہ "مردِ صالح" کا انتقال ہوگیا۔ میں نے پوچھا وہ کون؟ بولا امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔

تھوڑی دیر چپ رہ کر بولا۔" اگر عیسٰی علیہ السّلام کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کرسکتا تھا تو وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ مجھے اس تارک الدنیا راہب کی حالت پر کوئی تعجّب نہیں جس نے دنیا کو چھوڑ کر اپنا دروازہ بند کرلیا اور عبادت میں مشغول ہوگیا۔ مجھے تو تعجّب اس شخص پر ہے جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی، لیکن اس نے اسے پامال کرکے راہبانہ زندگی اختیار کی۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر صرف مسلم ہی نہیں، غیر مسلم بھی روئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ" میں سفر میں تھا۔ ایک نبطی مجھ سے ملا۔ تعارف کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت موجود تھے۔

میں نے کہا کہ ہاں! وہ یہ سن کر رو پڑا۔ اور ان کے حق میں رحمتِ خداوندی کی دعائیں کرنے لگا۔ میں نے پوچھا۔ تم ان کے لئے رحمت کی دعا کیوں مانگتے ہو؟ وہ تو تمہارے مذہب پر نہ تھے۔ اس پر اس نے جواب دیا۔ میں عمر رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں روتا، میں تو اس روشنی پر روتا ہوں جو زمین پر تھی اور اب بجھ چکی ہے۔

ایک شخص نے عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ بن محمدؒ بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ حضرت! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ وہ بولے۔ آیا تمہیں وہ نصیحت کروں جو میں نے خود دیکھی ہے یا وہ جو صرف سنی ہے۔ اس نے عرض کیا جو آپ نے خود دیکھی ہے وہی فرمائیے عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بولے سنو! حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے وفات کے وقت گیارہ لڑکے چھوڑے۔ ان کا کل ترکہ ۱۷ دینار تھا۔ جس میں سے پانچ دینار ان کے کفن پر صرف ہوئے۔

دو دینار سے قبر کے لئے زمین خریدی گئی اور باقی لڑکوں میں تقسیم ہوا۔ ہر لڑکے کے حصے میں انیس انیس درہم (تقریباً پانچ پانچ پاکستانی روپے) آئے۔ ہشام بن عبدالملک بھی گیارہ لڑکے چھوڑ کر مرا، جن میں سے ہر ایک کو دس دس لاکھ درہم ملے، لیکن میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس نے ایک

دن میں سو گھوڑے جہاد کے لئے خدا کی راہ میں دئے اور ہشام کے ایک لڑکے کو دیکھا جس کو لوگ صدقہ دے رہے ہیں۔

کلمۂ حق

ہشام بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ بن الحسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ یہ زید رحمۃ اللہ علیہ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے۔ افسوس کوفہ کے لوگوں نے اپنی رسم کے مطابق حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ سے غدّاری کی اور عین لڑائی کے میدان میں ان کی بیعت فسخ کر کے انہیں مظلومانہ شہید ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔

ہزارہا کوفی ان کی بیعت میں داخل ہو چکے تھے لیکن جنگ کا وقت آیا تو یہ لوگ زید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھنے لگے کہ " ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟" انہوں نے فرمایا کہ " میں نے اپنے خاندان میں سے کسی کو بھی نہیں پایا جو ان دونوں کی تعریف نہ کرتا ہو۔ یہ دونوں حضرات امام برحق اور عادل تھے۔" اہلِ کوفہ کو حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب پسند نہ آیا اور ان کی ایک بڑی اکثریت اس نازک وقت میں ان کا ساتھ چھوڑ گئی۔

اہلِ کوفہ کے حق میں زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول محاورے کی حد تک مشہور ہو چکا ہے:

رَفَضْتُمُوْنَا وَاَنْتُمُ الرَّافِضُوْنَ۔ "تم نے ہمیں عین وقت پر چھوڑا ہے۔ تم ہی ہو چھوڑ دینے والے۔" زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک فیصلے کے سلسلے میں ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق جانا پڑا۔ اثنائے گفتگو میں ہشام نے ازراہِ طنز انہیں کہا "کنیز زادے ہو کر خلافت کی آرزو رکھتے ہو" زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا "تم نے کنیز ہونے کی بنا پر میری ماں کا درجہ گھٹایا ہے۔

یہ خالص جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسمٰعیل علیہ السّلام کو کنیز کے بطن سے پیدا کر کے انہیں فضیلت بخشی۔ حالانکہ ان کے بھائی اسحٰق علیہ السّلام آزاد عورت کے بطن سے تھے۔ اسمٰعیل علیہ السّلام کی فضیلت اور بزرگی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ سیّد البشر محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ ایسی جاہلانہ باتیں زبان پر لاتے ہوئے خدا کا خوف کیا کرو۔"

ہشام غصّے سے بھنّا گیا اور چیخ کر کہنے لگا "تم جیسا شخص مجھے خوف خدا کی تلقین کرتا ہے۔" زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ بولے "نہ کوئی آدمی اتنا چھوٹا ہے کہ وہ خدا کے خوف سے نہ ڈرا سکے اور نہ کوئی اتنا بڑا ہے کہ وہ

اس کو نہ سن سکے!"

ہشام نے جس قضیئے کے سلسلے میں زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کو دمشق بلوایا تھا اس کی مزید تحقیقات کے لئے انہیں کوفہ بھجوایا اور والیٔ عراق یوسف ثقفی کو لکھ دیا کہ ان کی کڑی نگرانی رکھے، مبادا اہل عراق ان سے مل کر کوئی سازش کریں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد زید رحمۃ اللہ علیہ کے خروج اور شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

افسوس تم نے باپ کا علم بیچ ڈالا

مشہور تابعی عالم عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے غلام تھے۔ آقا نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے اولاد کی طرح جدّ وجہد کی۔ سفر حضر میں ساتھ رکھا اور مسلسل چالیس سال تک انہیں اپنے دامن شفقت میں رکھا۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ کے علوم وفنون میں امامت کا مقام رکھتے تھے۔ مشہور محدّث ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں "علم کا سمندر" قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حجّت و سند مانا ہے اور یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں بے اعتباری کا اظہار کرے اس

کے مسلم ہونے میں شک ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتنے جلیل القدر عالم و فاضل ہونے کے باوجود وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت بھی غلام ہی تھے۔ باپ کی وفات کے بعد علی بن عبد اللہ بن عباس نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کو چار ہزار دینار میں فروخت کر دیا۔ اس پر عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

" افسوس تم نے اپنے باپ کا علم چار ہزار دینار کے عوض بیچ ڈالا۔" علی رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بہت متاثر ہوئے اور بیع کو فسخ کرالیا۔ پھر راہِ خدا میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کو آزاد کر دیا۔

شہانِ بے کمر خسروانِ بے کلاہ

"تابعین کی جماعت" میں سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ (اعمش) کا مرتبہ علمِ تفسیر، حدیث اور فقہ میں بہت بلند مانا گیا ہے، وہ علم و عمل کے بادشاہ اور فقر و قناعت کے سلطان تھے۔ امام عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ شعرانی لکھتے ہیں: "اعمش رحمۃ اللہ علیہ کو روٹی" میسر نہیں تھی لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیاء و سلاطین سب سے زیادہ فقیر معلوم ہوتے تھے۔"

عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ "فقر و فاقہ کے باوجود دولت مند

اور امرآ اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ حقیر تھے۔" ایک دفعہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے انہیں لکھا کہ مجھے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فضائل اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عیوب لکھ کر بھیج دیجئے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے قاصد کے سامنے ہی وہ خط ایک بکری کے منہ میں دے دیا اور اس نے چبا کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر قاصد سے فرمایا: "جاؤ ہشام سے کہنا تمہاری تحریر کا یہ جواب ہے!"

قاصد نے کہا کہ اگر میں تحریری جواب کے بغیر واپس چلا گیا تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس پر لوگوں نے اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ کچھ نہ کچھ ضرور لکھ دیجئے ورنہ اس بے چارے کی خیر نہیں۔ اس پر حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب لکھا:

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ط

"اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذات میں تمام دنیا کی خوبیاں جمع ہوں، تب بھی اس سے تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذات میں (خدانخواستہ) دنیا بھر کی برائیاں جمع ہوں تو ان سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، تمہیں چاہیے کہ اپنے آپ کی خبر لو!"

عجیب و غریب حافظہ

محدّثین کے ہاں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (ابوبکر محمدّ بن مسلم بن شہاب) کا جو درجہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ وہ جلیل القدر تابعی اور عظیم الشان محدّث اور فقیہ تھے، قوتِ یاداشت بلا کی پائی تھی۔ صرف اسّی دنوں میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ حافظ ابنِ کثیر نے اپنی مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے:

بنو امیہّ کے مشہور سربراہ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ میرے لڑکوں کے لئے کچھ احادیث قلم بند کر دیجئے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے منشی کو چار سو حدیثیں املا کرائیں اور ہشام کو بھجوا دیں۔ پھر باہر تشریف لائے اور محدثین کو ان احادیث کا درس دیا۔ چند دنوں کے بعد ہشام نے (ازراہِ امتحان) امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ وہ آپ کی چار سو احادیث والی دستاویز تو ضائع ہو گئی ہے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں اور پھر منشی کو بلا کر وہی چار سو احادیث لکھوا دیں۔ ہشام دوسری کتاب کے ملنے پر پہلی کتاب نکال کر لایا اور دونوں کا مقابلہ کیا۔ واقعہ بیان کرنے والا کہتا ہے۔

کہ دونوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہ تھا۔

یاد رہے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں مرتبہ محض حافظے کی مدد سے یہ احادیث لکھوائی تھیں اور کسی تحریری یاداشت سے مدد نہیں لی تھی۔

شہادت پر قرعہ اندازی

جنگِ بدر کی شرکت کے لیے سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم گھر پر رہو اور میں میدان جہاد میں نکلتا ہوں لیکن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصرار تھا کہ باپ گھر پر رہے اور وہ خود شریکِ جہاد ہو۔ چنانچہ رفعِ اختلاف کے لیے باپ بیٹے میں قرعہ اندازی تک نوبت پہنچی۔ خدا کی قدرت کہ قرعہ بیٹے کے نام نکلا اور وہ یہ کہہ کر میدان کے لیے روانہ ہوئے کہ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں اپنی جان پر آپ کو ترجیح دیتا، لیکن یہ حصولِ جنت کا معاملہ ہے۔
مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت سے سرفراز فرمائے گا۔"
باپ نے اپنے آپ پر جبر کر کے اجازت دے دی۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بارہ[۱۲] خوش بخت صحابہ کرام میں سے ہیں جو میدانِ بدر کی نذر ہوئے اور شہادت سے سرخرو ہوئے۔